سلسلۂ ندوۃ المصنفین دہلی

(۹۸)

خواجۂ بندہ نوازؒ کا تصوّف اور سلوکؒ

از
ڈاکٹر میر ولی الدّین صاحب
ایم، اے (علیگ) پی، ایچ، ڈی (لندن)
بیرسٹر ایٹ لا
سابق پروفیسر و صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

ندوۃ المصنّفین جامع مسجد دہلی ۶



سلسلۂ ندوۃ المصنفین دہلی

(۹۸)

خواجہ بندہ نوازؒ
کا
تصوّف اور سلوک

از

ڈاکٹر میر ولی الدّین صاحب

ایم اے، پی ایچ ڈی (لندن)

بیرسٹر ایٹ لا

سابق پروفیسر و صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد

ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

مطبوعہ یونین پرنٹنگ پریس دہلی

طبع اوّل شوال ۱۳۸۵ھ
فروری ۱۹۶۶ء

قیمت غیر مجلد
دو روپے

مصنف کی دوسری کتابیں

۱) قرآن و تصوف
۲) قرآن و تعمیرِ سیرت
۳) مراقبات
۴) رموزِ عشق
۵) علاج خوف و حزن
۶) رموزِ اقبال
۷) فلسفہ کیا ہے؟
۸) قنوطیت یا فلسفۂ یاس
۹) رسالۂ اخلاقیات
۱۰) ابطالِ مادیت

تراجم

۱۱) رہنمائے قرآن
۱۲) تہافۃ الفلاسفہ للغزالی
۱۳) تذکرۂ مولانا ابوالکلام آزادؒ
۱۴) تاریخ فلاسفۂ اسلام
۱۵) تاریخ مسائلِ فلسفہ
۱۶) مقدمہ فلسفۂ حاضرہ
۱۷) مقدمہ مابعد الطبعیات
۱۸) فلسفہ کی پہلی کتاب

انگریزی میں

(19) QURANIC SUFISM
(20) LOVE OF GOD AS UNDERSTOOD BY THE MYSTICS
(IN PRESS)

زیرِ ترتیب

۲۱) بیماری اور اُس کا روحانی علاج
۲۲) مکارمِ اخلاق

فہرستِ مضامین

صفحہ

مقدمہ ——— ۲

۱- تصوّف کیا ہے؟ ——— ۴۰

۲- وجہِ تخلیقِ عالَم ——— ۴۳

۳- صوفی کی زندگی کا مقصود؟ ——— ۴۵

i- سلسلۂ قادریہ: تصفیۂ قلب ——— ۴۵

ii- سلسلۂ نقشبندیہ: تصویر و تشکیل ——— ۴۶

iii- سلسلۂ چشتیہ: عشق و محبّت ——— ۴۷

۴- عشق یا محبّت کیا ہے؟ ——— ۵۰

۵- محبّت کے اقسام ——— ۵۲

۶- محبّت کے مراتب ——— ۵۶

۷- انجامِ مَسلکِ عشق: وحدت الوجود ——— ۵۸

۸- سلوک الی اللہ میں عشق کے فوائد اور ان کی علامت ——— ۶۱

۹- وصول الی اللہ کے طریقے ——— ۶۵

۱۰- ذکر ——— ۶۵

i- قرآنِ حکیم میں ذکر کی تاکید ——— ۶۶

ii- احادیثِ نبویہ میں ذکر کی تاکید ——— ۶۸

iii- ذکر کو افضل و انفع کیوں قرار دیا گیا؟ ——— ۷۰

iv- ذکر نفی و اثبات ——— ۷۲

v- ذکر اسمِ ذات ——— ۷۲

صفحہ

v- امام ابن تیمیہ کا اعتراض اور اس کا جواب ۷۳
vi- طرقِ ذکر اور اس پر اعتراض ۷۵
vii- بدعت کیا ہے ؟ ۷۵
viii- مشائخ صوفیہ کے طُرقِ ذکر کو بدعت ہرگز نہیں قرار دیا جاسکتا ۸۱
۱۱- حضرت خواجہؒ کے طُرقِ ذکر ۸۴
i- ذکر دو حلقی یا دو ضربی ۸۴
ii- ذکر نفی و اثبات، یا ذکر فنا یا بقاء ۸۵
iii- ذکر کے اور مخصوص طریقے ۸۶
۱۲- (۲) فکر یا مراقبہ ۸۸
i- مراقبہ کے لغوی و اصطلاحی معنیٰ ۸۸
ii- قرآنِ حکیم میں مراقبہ پر دلیل ۸۹
iii- احادیثِ نبویہّ میں مراقبہ کا حکم ۸۹
iv- اقوالِ صوفیہ ۹۰
v- مراقبہ کے اقسام ۹۲
۱۳- حضرت خواجہؒ کے تعلیم کردہ مراقبات ۹۴
۱۴- رابطہ اور صحبتِ شیخ ۹۷
i- احکامِ قرآنیہ ۹۸
ii- احادیثِ نبویہّ ۹۸
iii- اقوال اکابرِ طریقت ۱۰۰
۱۵- رابطہ کے معنیٰ و مفہوم ۱۰۲
۱۶- کیا رابطہ میں شرک مضمر ہے ؟ ۱۰۳
۱۷- تلخیص ۱۱۰

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

آنہا کہ ربودۂ الست اند — از عہدِ الست باز مستند
در منزلِ درد بستہ پایند — در دادن جاں کشادہ دستند
چالاک روند پس بیک گام — از جوئے حدوث باز جستند
فانی ز خود بدوست باقی — ایں طرفہ کہ نیستند و ہستند
ایں طائفہ اند اہلِ توحید — باقی ہمہ خویشتن پرستند

پیشِ نظر مقالہ حضرت مخدوم خواجہ بندہ نواز سید محمد حسینی قدس اللہ سرہ (۷۲۱ھ تا ۸۲۵ھ) کے تصوف و سلوک کا ایک اجمالی خاکہ ہے۔ اس اجمال کو پیش کرتے وقت اس امر کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے کہ صوفیا کے طریق سلوک پر جو اعتراضات وارد کئے جاتے ہیں ان کا بھی ذکر کیا جائے اور ان کو تشفی بخش طریقے پر دفع کیا جائے، امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رح نے تو معترضین کی ذرا سخت زبان میں خبر لی تھی ہے۔

"چند ناقصوں نے کچھ حدیثیں یاد کر لی ہیں، اور شریعت کے احکام کو ان ہی پر موقوف کر رکھا ہے اور اپنے معلوم کے سوا سب کی نفی کرتے ہیں، اور جو کچھ ان کے نزدیک ثابت نہیں ہوتا اس کا انکار کرتے ہیں۔

چوں آں کرمے کہ در سنگے نہان است
زمین و آسمانِ او ہماں است" (مکتوبات جلد دوم مکتوب ۹۹)

ہم نے دلائلِ قاطعہ سے ان اعتراضات کے نقص کو ثابت کیا ہے، اور بتلایا ہے کہ محققین صوفیا نے ظاہر و باطن میں انوارِ سنت ہی سے اقتباس کیا ہے، اور کتاب و سنت سے جو چیز خارج یا ان کی مخالف ہے، وہ ان کے نزدیک بالاجماع مردود و باطل ہے، ہم نے آخر میں نصیحت کی ہے کہ:-

اے گرفتارِ خودی طعن بدرویش مکن — غیبت پاک درونانِ صفا کیش مکن
جاں سلامت نہ بری از نفس درویشاں — لقمۂ شیر مشو، دشمنی خویش مکن
(نتیجۂ فکر جناب علی قلندرؒ)

یہ دیکھ کر کہ ہمارے زمانہ میں تصوف کا انکار بڑی شدت سے کیا جا رہا ہے، اور بعض ادارے اسی غرض سے قائم ہوئے ہیں کہ صوفیائے کرام کی تکذیب کی جائے، اور معاذ اللہ ان کی جہالت اور ضلالت کو ثابت کیا جائے، ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ اس مقدمہ میں صوفیائے کرام کے مقام و منزلت پر ذرا کھل کر گفتگو کی جائے۔ وباللہ التوفیق۔

صوفیائے کرام کی جلالتِ شان کو سمجھنے کے لئے ہم چند اساطینِ ملتِ قومیہ کے اقوال پیش کرتے ہیں جن پر غور کرنے سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صوفیا ہی دراصل علمار ربانیین ہیں اور صحیح معنی میں ورثۃ انبیاء ہیں۔ ہم اولاً قطب المحققین علامہ شیرازی کے بیان کی تلخیص پیش کرتے ہیں، جو انہوں نے "درۃ التاج" میں رقم کیا ہے[1]

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ یعنی میری امت کے علماء راہ حق کے پانے اور اس کی طرف لے جانے میں بنی اسرائیل کے پیغمبروں کے مانند ہیں، نیز آپؐ نے فرمایا" العلماء ورثۃ الانبیاء" یعنی علما پیغمبروں کے میراث دار ہیں پیغمبروں کا سرمایہ، یا ملک قرب الٰہی ہے، وصول الی اللہ اولاً علم شریعت کے جاننے پر منحصر ہے، اور علم شریعت ان ہیئات و حرکات و سکناتِ جسمانی معتدل کا جاننا ہے، جو ادائے فرائض و

[1] منقول از کتاب الروض الازہر فی مآثر القلندر، از مولانا شاہ تقی علی قلندر، مطبوعہ مطبع سرکاری ریاست رامپور ۱۳۳۵ھ صفحہ ۵۲ تا ۵۳ (ترجمہ و تلخیص از راقم الحروف)

آداب خدمت وعبادات واداۓ حقوقِ حق وخلق کے لئے ضروری ہیں اور یہ سب حکم شریعت کی وحدت وعدالت کے ان میں سرایت کرنے کی وجہ سے قرب الٰہی کے وصول میں مدد ومعاون ہوتے ہیں، اور امت محمدی کی اس دار القرب کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جو ابدی نعیم ولذات کا مقام ہے۔

" اسی طرح قرب بحضرت الٰہیت علم طریقت کے جاننے پر منحصر ہے، اور علم طریقت فضائل برگزیدہ وافعال پسندیدہ سے ہوتی ہے ان ہیئات نفسانی کا جاننا ہے، اور نفس وقلب کار ذائل سے تزکیہ وتخلیہ اور فضائل سے ان کا تحلیہ ہے، یہ سیرت نفس کی پوشیدہ شہوات کا جاننا اور اس کے عیوب وآفات کی شناخت کرنا اور ان سے نجات حاصل کرنے کے طریقوں کی معرفت ہے، اسی طرح دل وجان، یا قلب ونفس اس قرب ورضوان کے حصول کے لئے تیار ہو سکتے ہیں، جو باطن بہشت اور اس کی روح ومعنیٰ ہیں، اور یہی انبیاء علیہ السلام کا سرمایہ تھا، اسی طرح قرب حق علم حقیقت کے جاننے پر بھی منحصر ہے اور علم حق تعالیٰ کے اسماء وصفات اور ان سے تخلق اور تحقق پیدا کرنے کے طریقوں کا جاننا ہے۔ یہ سب انبیاء علیہم السلام کا سرمایہ تھا، ان کی زندگی کے زمانہ میں اور ان کی وفات کے بعد یہ انکی میراث قرار پایا، چنانچہ فرمایا رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما وانما ورثوا العلم (انبیاء دینار اور درہم میراث میں نہیں چھوڑتے ہیں، بلکہ علم کو میراث میں چھوڑ جاتے ہیں)

" جو لوگ جان وتن سے انبیاء علیہم السلام کی شریعت کا حق ادا کرتے ہیں اور اپنے قول وفعل وعلم وحال سے بطریق ولادت معنوی[1] ان انبیاء ورسل سے نسبت صحیح پیدا کرتے ہیں وہ اس سرمایہ کو ان سے بطور میراث پاتے ہیں اور اس میں تصرف مالکانہ کرتے ہیں اور یہ وارثان حقیقی اولیاء ومشائخ وعلماء راسخین کے سوا کوئی اور

---

[1] اس ولادت معنوی کی طرف اشارہ اس ارشاد میں ملتا ہے لن یلج ملکوت السمٰوٰت من لم یولد مرتین جو دوبارہ پیدا نہیں ہوتا وہ ملکوت آسمان میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتا۔

نہیں، جو ظاہر و باطن قلب اور قالب سے فنا و بقا کے تمام مراتب و مقامات سے ہو گزرتے ہیں، اور انکا حق ادا کرتے ہیں اور لقا باللہ سے متحقق ہوتے ہیں، مگر علماء ظاہر کو بھی اس سرمایہ سے نقل و حکایت کے طور پر ضرور ملا ہے، جس کی وجہ سے وہ عموم خلق میں شرع کی نگہداشت کرتے ہیں اور اس سے وہ خود اور ان کے شاگرد اور متبعین نفع اندوز ہوتے ہیں، لیکن انہیں صرف ایک وجہ سے میراث دار کہا جاتا ہے، اور اکابر مشائخ جو علماء راسخ ہیں کل میراث کے وارث ہیں اور وہ انبیاء کے کل سرمایہ سے نفع اندوز ہوتے ہیں اور ان کے تابعین بھی ان سے متمتع ہوتے ہیں۔"

علامہ شیرازیؒ کے اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مشائخ صوفیا، شریعت، طریقت و حقیقت کے حامل ہوتے ہیں۔ جو انبیا کی جملہ میراث ہے، اور وہ اس کو بطریق ولادت معنوی حاصل کرتے ہیں، اپنے قول و فعل علم و حال سے انبیاء علیہم السلام سے صحیح نسبت پیدا کر لیتے ہیں جو علماء ظاہر کو حاصل نہیں ہوتی۔

(۲) علامہ جلال الدین دوانی شرح رباعیات میں فرماتے ہیں: ان العلوم الرسمية لاتوصل الى التحقيق وانما الموصل اليه بعد مساعدة التوفيق مصاحبة اهل الطريق وملازمة ذالك الغريق

علوم رسمیہ تحقیق کی طرف نہیں پہونچاتے، بلکہ اس طرف پہونچانے والی چیز توفیق الٰہی کے بعد اہل طریق کی مصاحبت اور اس طریق کے غریق کی ملازمت ہی ہو سکتی ہے۔

گو طریق استدلال بہت ساری مشکلات کو حل کرتا ہے اور بہت ساری مشکلات کو دور کرتا ہے، لیکن اس سے نفوس مشرفہ کو برد قلبی اور ان کے غلبۂ طلب کو سکون نہیں حاصل ہوتا، چنانچہ ان صاحب کمال ائمہ کے احوال و اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ جو ابتداء میں علوم رسمیہ کے جدل و مناقشہ میں مشغول رہے، اور اس سے اپنا

لہ منقول از ردمن الازہر ترجمہ و تلخیص از راقم الحروف۔

مقصود پا نہ سکے، تو اس طریقے کو چھوڑ کر ترک و تجرید کی راہ اختیار کی۔ امام حجۃ الاسلامؒ نے "منقذ من الضلال" اور اپنی دوسری کتابوں اور رسالوں میں اپنا حال بیان کیا ہے۔ اسی طرح ہمہ داں ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے "زبدۃ الحقائق" میں اپنے حال کی شرح کی ہے۔ یہ اس امر کے ثبوت کے لئے کافی ہے، کہ ارباب بصائر کا مقصود صرف اہل مشاہدہ کی مصاحبت و متابعت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمدانیؒ نے "زبدۃ الحقائق" میں لکھا ہے۔

نعم المعین للطالبین علی تصفیۃ الباطن مصاحبۃ اهل الذوق ومجالستهم وخدمتهم من صمیم القلب واعنی باهل الذوق اقواماً طهروا بواطنهم عن رذائل الاخلاق حتی فاضت علیها من الطاف الحق ما یستحیل عنه العبارۃ والسعادۃ للطالب ان ینفرد بکلیۃ روحه لخدمۃ واصل منهم من فنی فی الله ومشاهدۃ الحق حتی اذا افنی عمرہ فی خدمته احیاہ الله تعالیٰ حیوۃ طیبۃ ولیس منها مع العلماء سوی رسم واسم

صفائے باطن کے طالب کے لئے اہل ذوق کی مصاحبت اور ہم نشینی اور خلوصِ قلب سے ان کی خدمت کتنی اچھی معین اور مددگار ثابت ہوتی ہے اور اہل ذوق سے میری مراد وہ افراد ہیں جنہوں نے اپنے باطن کو اخلاقِ رذیلہ سے پاک صاف کر لیا ہے، اور ان پر الطاف و عنایاتِ حق سے وہ سب کچھ فائز ہوتا ہے جس کو عبارت میں ادا کرنا محال ہے، طالب کے لئے سعادت بس یہی ہے کہ اپنی جان کو انکی خدمت کے لئے منفرد کرلے واصل وہ ہے جو فانی فی اللہ اور اس کے مشاہدہ میں فنا ہو جائے جب وہ اپنی عمر کو اسی کی خدمت میں فنا کر دیتا ہے تو حق تعالےٰ اس کو حیاتِ طیبہ عطا فرماتے ہیں، علماء کے ہاں ان میں سے کوئی چیز سوائے

اسم ورسم کے نہیں پائی جاتی۔ ؎

خواہی کہ رہے بجوئے تحقیق بری | چوں اہل حق از جدال می باش بری
بااہل خدا نشین و با ایشاں باش | باشد کہ مگر باہل ایشاں برپری

؎

در مدرسہ کردیم بسے گفت و شنود | از سر جہاں یک سر مو رخ نہ نمود
ہر چند کشودیم بسے مشکلہا | زانجا بجز افسانہ کارے نہ کشود

(۳) امام ربانی شیخ عبد الوہاب شعرانیؒ نے اپنی کتاب "ارشاد الطلبة والمریدین" میں لکھا ہے ؎

اعلم یا اخی ان طریقة الصوفیة هو الصراط المستقیم وهو اجل الطرق واسناها فان الطرق تتشرف وتتصنع بحسب غایاتها وهذا الطریق غایته معرفة الحق جل وعلا ومعرفة الآداب المتعلقة بحضرته ومعلوم ان معرفة الحق اشرف العلوم کما ان معروفها اشرف واعز ما فی الوجود فلذلك کان الطریق الی معرفته افضل الطرق وکان الشیخ الدال علیه سید الادلاء واکملهم واعظمهم والسالکون الیه اسعد السالکین وانجاهم فینبغی لکل من نصح نفسه ان لا یسلك من الطرق سوی هذا الطریق لارتباطه بالسعادة الابدیة فانه حاوٍ لعلوم الشریعة والحقیقة والعارف به حقیق بمقام المشایخة والوراثة النبویة الکاملة ومن حصل فیه قیل له الشیخ والوارث والاستاذان کان تابعا والنبی ان کان فی زمن النبوة ثم اعلم یا اخی ان هذا الطریق لما کان فی مقام العز والشرف حفت به الآفات من سائر الآفاق فلا یسلکه الا شجاع مقدام علی ید شیخ علام وحینئذ تقع الفائدة فعلی الشیخ ان یوفی حق تربیته وعلی المرید ان یوفی حق تربیته بالسمع والطاعة

؎ منقول از رد عن الازہر ص۲۸ و ص۲۹

"جان اے میرے بھائی کہ صوفیاء کا طریقہ ہی صراط مستقیم بزرگ ترین راستہ اور روشن ترین راہ ہے، راستے اپنے فوائد کے مطابق نکالے جاتے ہیں اور یہ راستہ حق تعالیٰ کی غایتِ معرفت کا راستہ ہے اور آداب متعلقہ حق تعالیٰ کی معرفت کا راستہ ہے، اور یہ سب ہی جانتے ہیں کہ معرفتِ حق اشرف علوم ہے، کیونکہ اس کا معروف اشرف و عزیز ترین وجود ہے، اسی وجہ سے حق تعالیٰ کی معرفت کا راستہ تمام طریقوں سے افضل ہے، اور اس کی طرف رہنمائی کرنے والا شیخ تمام رہنماؤں کا سردار اور ان سب سے زیادہ کامل بزرگ ہے اور اس راستہ کے چلنے والے تمام سالکین سے زیادہ سعید و نیک بخت ہوتے ہیں اور ان سب سے زیادہ نجات پانے والے۔ پس جو کوئی بھی اپنے نفس کو نصیحت کرتا ہے اس کو چاہیئے کہ سوائے اس راستہ کے اور راستہ پر نہ پڑے، یہی راہِ سعادت سے مربوط اور علومِ شریعت و طریقت پر حاوی ہے، اور اسی طریق کا عارف مقامِ شیخت اور وراثتِ نبویہ کاملہ کے لائق ہے، اور جو اس کو حاصل کرتا ہے وہی شیخ وراثت استاد کہلاتا ہے اگر وہ تابع ہو، اور اگر زمانہ نبوت میں ہوتا ہے تو اس کو نبی کہتے ہیں۔

اور اے بھائی! یہ بات بھی جان لے کہ چونکہ یہ مقام عزت و شرف ہے، یہ آفات سے گھرا ہوا بھی ہے، اس راہ پر بھی وہی چلتا ہے جو مردِ شجاع ہوتا ہے اور شیخ غلام کا ہاتھ تھامے ہوئے ہوتا ہے، اور اسی وقت فائدہ بھی ہوتا ہے، للہذا شیخ پر لازم ہے کہ وہ مرید کے حقِ تربیت کو پوری طرح ادا کرے، اور مرید پر لازم ہے کہ شیخ کے طریقے کے حق کو جان و دل سے پورا کرے۔

اپنی ایک دوسری تصنیف "الیواقیت والجواہر" میں امام شعرانی فرماتے ہیں۔

اعلم رحمك الله تعالیٰ ان حقیقة الصوفی فقیهٌ عمل بعلمه لاغیر فاورثه الله بعلمه الاطلاع علی دقائق الشریعة واسرارها حتی صار احدهم مجتهدًا

فی الطریق والاسرار کما ھو شان المجتھدین فی فروع الشریعۃ ولذلک شرعوا فی الطریق واجبات ومحرمات ومندوبات ومکروھات وخلاف الاولیٰ زائدًا علی ما صرحت بہ الشریعۃ کما استنبط المجتھدون نظیر ذلک فما من احد منھم حق لھم قدما ولایۃ الاھو مجتھد فی الطریق لیس عندہ تقلید الا بما صرحت بہ الشریعۃ او اجمع علیہ الامۃ فقط فمن ادعی مقام الکمال فھو مقلد فھو غیر صادق وقد سمعت سیدی علی الخواصؒ یقول مرارا لایکمل الرجل عندنا فی الطریق حتی یاخذ العلم من حیث اخذہ المجتھدون" وایضا فیہ قد رایت فی کتاب الرعایۃ للشیخ عزالدین ابن عبد السلام سلطان العلماء بمصر مانصہ کل الناس قعدوا علی رسوم الشریعۃ وقعد الصوفیۃ علی قواعدھا التی لاتتزلزل ویؤید ذلک مایقع علی ایدیھم من الکرامات والخوارق ولایقع ذلک قط علی ید عالم لو بلغ فی العلم ما بلغ الا ان سلک طریقھم[1]

جان لے خدا تجھ پر رحم کرے کہ صوفی درحقیقت فقیہ ہوتا ہے جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔ بس اللہ تعالیٰ اس کو اپنے علم کا وارث گردانتا ہے، اور دقائق شریعت اور اس کے اسرار کی اطلاع دیتا ہے، یہاں تک کہ ان میں سے ایک طریقہ اور اسرار کا مجتہد ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ فروع شریعت میں مجتہدین کی شان ہوتی ہے، اور اسی وجہ سے وہ وصول الی اللہ کے واجبات ومحرمات ومندوبات ومکروہات اور خلافِ اولیٰ مقرر کرتا ہے اور یہ شریعت کی صراحت سے زیادہ ہوتے ہیں، جس طرح کہ اسی کے مانند دوسرے مجتہدین کیا کرتے ہیں، بس ان میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا قدم ولایت میں قائم وثابت ہو، اور وہ مجتہد نہ ہو، اسکے

---

(۲) [1] الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر للامام العارف الربانی عبدالوہاب الشعرانی، مطبوعہ مصر ص۱۱

لئے تقلید سوائے ان امور کے جن کی شریعت نے صراحت کی ہے، یا جن پر اجماع ثابت ہے، جائز نہیں، لہذا جو مقام کمال کا دعوی کرتا ہے، اور مقلد ہوتا ہے وہ سچا نہیں، میں نے سیدی علی الخواص سے سنا ہے، کہ وہ بار ہا فرمایا کرتے تھے، کہ ہمارے ہاں طریقت میں کوئی شخص اس وقت تک کامل نہیں ہوتا، جب تک کہ وہ علم کو اسی جگہ سے نہیں حاصل کرتا جہاں سے مجتہدین نے حاصل کیا ہے اور میں نے "کتاب الرعایۃ" میں دیکھا ہے جو شیخ عزالدین ابن عبد السلام سلطان علماء مصر کی تصنیف ہے، جس میں انہوں نے صراحت کی ہے کہ تمام لوگ رسوم شریعت پر قائم ہیں، اور صوفیہ شریعت کے قواعد پر، جو کبھی متزلزل نہیں ہوتے۔ اور اس کی تائید ان کرامات و خوارق سے ہوتی ہے جو صوفیہ سے سرزد ہوتے ہیں اور کسی عالم سے سرزد نہیں ہوتے، اگرچہ وہ علم کی آخری حد تک پہنچ جائے، ہاں اسی صورت میں واقع ہو سکتے ہیں جب وہ ان کے طریق پر چلنے لگے۔

آگے چل کر شعرانی فرماتے ہیں کہ ہم تک یہ خبر پہنچی ہے کہ ابتدا میں علامہ عزالدین فرمایا کرتے تھے کہ "کیا شریعت کا اس کے سوا بھی کوئی طریقہ ہے جو ہمارے ہاں ہے؟ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ شریعت کا ایک علم باطن بھی ہے جو ہمارے ہاں نہیں تو وہ باطنی ہے اور زندیق"

جب ان کی ملاقات شیخ ابوالحسن شاذلی سے ہوئی اور دونوں یکجا ہوئے (مصر میں) اور ان سے یہ علم حاصل کیا تو پھر صوفیہ کے طریقے کی مدح کرنے لگے، چنانچہ فرماتے ہیں۔ انها طریق جمعت اخلاق المرسلین "یعنی یہ وہ طریقہ ہے جو اخلاق مرسلین کا جامع ہے"۔

(۴) شیخ محقق عارف مدقق مولانا محمد ابن محمود حافظی بخاری الشہیر بہ خواجہ پارسا نقشبندی فرماتے ہیں "مشائخ طریقت قدس اللہ ارواحھم کہ ائمہ دین و مقتدایان

اہلِ یقین ہیں، علوم ظاہری و باطنی کے جامع اور ارباب احوال و اصحاب کمال ہیں، ان کے عقائدِ صافیہ اصولِ صحیح پر قائم ہیں جنکی تائید کتاب و سنت و اجماعِ امت اور دلائل عقلیہ و شواہد نقلیہ سے ہوتی ہے، اور اس کے باوجود وہ اہلِ ذوق و وجدان و کشف عیان ہے

قد اقبل اللہ سبحانہ علیھم بلطفہ وجذبھم عزّ وجل الیہ بلطفہ سبقت لھم منا الحسنیٰ والزمھم کلمۃ التقوی فھموا عن اللہ وصار والی اللہ واعرضوا عما سوی اللہ خرق الحجب انوارھم وجالت حول العرش اسرارھم۔

حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ان کی طرف اپنے لطف سے توجہ کی ہے، اور ان کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ ان کی طرف ہم سے نیکی نے سبقت کی ہے، اور ان کے لئے کلمۂ تقوی کو لازم کیا ہے۔ خدا ہی سے انہوں نے سمجھا ہے، اور اسی کی طرف وہ ہو گئے ہیں، اور ما سوا اللہ سے اعراض کیا ہے، ان کے انوار نے پردوں کو چاک کر دیا ہے اور ان کے اسرار نے عرش کے اطراف گردش کی ہے۔

وہ ارباب عزائم ہیں اور خواص مومنین۔ آسمان ہدایت کے نجوم اور شیاطین غوایت کے لئے رجوم۔

نور السالکین، فضیحۃ المدعین و قمع المبتدعین و حجۃ لاھل السنۃ والمومنین۔

سالکوں کے لئے نور، مدعین کے لئے فضیحت۔ اور بدعتیوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے والے اور اہل سنت اور مومنین کے لئے گویا دلیل و حجت ہیں۔

خدائے عزّ وجل نے ان کے انوار ولایت اور آثار ہدایت کو اپنی حکمت اور رحمت سے مومنین کے درمیان ظاہر فرمایا ہے، اور ان کو ان سے مستفیض فرمایا ہے۔

اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ فمن عاداھم ونا داھم ھلک وھو لا یشعر۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب میں ایمان درج کر دیا گیا ہے، اور حق تعالٰے نے اپنے فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے، جس نے ان کو دشمن رکھا۔ یا بدنام کیا وہ ہلاک ہو گیا، اور اس کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔

(۵) شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں[1]

یہ گمان نہ کرنا کہ تصوف اہل سنت وجماعت کے مذہب کے مخالف ہے، یا صوفیہ کا ایک خاص فرقہ ہے، اور فرقۂ ناجیہ انکے علاوہ کوئی دوسرا ہے، حاشا وکلا! اس ملت اوتم کا خاصہ وخلاصہ محققین صوفیہ ہی ہیں جنہوں نے انوارِ سنت سے اقتباس کیا ہے اور سرِ حقیقت کو منکشف کیا ہے، سلوک طریقت میں اتباع عمل وحال کے لحاظ سے اختیار عزیمت ظاہر و باطن میں، صدق واخلاص کے معنی کی تحقیق نفس کے مکائد اور روح کی دقائق کی معرفت، اور تہذیب اخلاق وتصفیۂ باطن میں ان سے برتر کوئی دوسرا نہیں انہیں اعمال اور اخلاق واحوال ومقامات ومواجید و اذواق ونکات واشارات اور سارے ہی کمالات جو حاصل ہوئے ہیں، کسی دوسرے فرقہ کو حاصل نہ ہو سکے۔

(۶) شیخ جلال الدین سیوطیؒ جو متاخرین علمائے حدیث میں سب سے زیادہ باعظمت ہیں اپنے عقائد میں تحریر فرماتے ہیں۔

ونعتقد ان طریق الجنید وصحبہ طریق مقوم: ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جنید اور ان کے اصحاب کا طریقہ سیدھا اور مضبوط طریقہ ہے

سیوطیؒ نے جنیدؒ اور ان کے اصحاب کے طریقہ کی تخصیص میں مقصود کی طرف اشارہ کیا ہے، کیونکہ جنید اور ان کے اصحاب، یعنی ان کے امثال واقران کا طریقہ ایک جامع طریقہ ہے، جس میں کتاب وسنت کی تحکیم ظاہر کی باطن پر تقدیم اور جمع بین الشریعۃ والحقیقۃ بر وجہِ اتم واکمل پائی جاتی ہے، ان کے طریقے میں ظاہر احکام شریعت کی رعایت کرنے میں سستی یا تہاون ہرگز نہیں پایا جاتا، چنانچہ جنیدؒ سے منقول ہے کہ "ہمارے

---

[1] مرج البحرین، مطبوعہ فتح پور ۱۲۶۵ھ منہ ۲۔

طریقے کی بنیاد کتاب وسنت پر قائم ہے، اور جو کچھ کتاب وسنت سے خارج ہے وہ مردود باطل ہے۔

آپ ہی کا یہ بھی ارشاد ہے کہ" اگر ذکر، نماز اور تلاوتِ قرآن میں حضور وخشیت و خضوع حاصل ہو تو فتح باب کی امید کی جا سکتی ہے، ورنہ جان لیا جائے کہ راہ مسدود ہے"

آپ نے یہ بھی فرمایا من لم یسمع الحدیث ولم یجالس الفقہاء ولم یاخذ ادبہ من المتادبین افسدتل هذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی (الآیۃ)

جو شخص حدیث نہیں سنتا اور فقہاء کی ہم نشینی نہیں اختیار کرتا اور ادب دینے والوں سے ادب نہیں حاصل کرتا وہ تباہ ہو جاتا ہے، کہہ دو یہ میرا راستہ ہے، میں بلاتا ہوں خدا کی طرف ......

(۷) امام حجۃ الاسلام المنقذ من الضلال[1] میں اپنے ابتدائی احوال کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

ان خلوتوں اور عزلتوں میں بہت سے اسرار مجھ پر منکشف ہوئے جن کا شمار یا احاطہ ناممکن ہے۔ ہاں صرف اسی قدر بیان کرنا کافی سمجھتا ہوں کہ جس سے لوگوں کو فائدہ پہونچے، اس عرصہ میں مجھے یقینا معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چلنے والے صوفیائے کرام ہی ہیں، اور انہی کی سیرت و عادت سب سے افضل و برتر ہے۔ انہی کا طریقہ اور راستہ سب راستوں سے سیدھا ہے۔ انہی کے اخلاق سب اخلاق سے پاکیزہ ہیں، بلکہ اگر کل عقلا کی عقلیں اور سب حکماء کی حکمتیں اور کل علمائے شریعت اور واقفان علوم دینیہ کے علوم جمع کئے جائیں تو صوفیائے کرام کے اخلاق اور اطوار و سیرت وطبیعت کی ذرہ بھی برابری نہ کرسکیں، اور نہ ان کو کسی زیادہ بہتر چیز میں بدل سکیں اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیائے کرام کی تمام حرکات و سکنات ظاہری و باطنی مشکوۃِ نبوت کے نور سے مقتبس ہیں، اور روئے زمین پر کوئی نور سوائے نورِ نبوت کے ایسا نہیں جس سے روشنی حاصل کی جا سکے، خلاصہ

---

[1] طبع فی المطبعۃ الزاہرۃ الاعلامیہ بمصر قاہرہ صفحہ ۲۴ تا صفحہ ۲۳

کلام یہ ہے کہ جو طریق ایسا مقدس ہو کہ اس کی پہلی شرط ماسوی اللہ سے دل کا پاک وصاف ہونا ہو اور اس کا پہلا ہی مرحلہ بجائے تحریمہ نماز کے ذکر الٰہی میں قلب کا مستغرق ہونا ہو اور اس کا آخری درجہ فنا فی اللہ بالکلیہ ہو ایسے طریق کی بابت کوئی کیا نکتہ چینی کر سکتا ہے

یہ جو ہم نے طریق تصوف کا آخری درجہ بیان کیا ہے، درحقیقت آخری درجہ نہیں اس کا آخری ہونا بدیں لحاظ ہے کہ جہاں تک کسب واختیار اور محنت ومجاہدہ سے یہ طریق حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کا یہ آخری درجہ ہے، ورنہ درحقیقت یہ سلوک کا پہلا درجہ ہے اور اس سے پیشتر جو حصہ تھا وہ تو سالک کے لئے مثل دہلیز کے تھا، یہ وہ طریق ہے جس کے پہلے ہی درجہ میں مشاہدات ومکاشفات شروع ہوتے ہیں، یہاں تک کہ وہ عالم بیداری میں فرشتوں کو اور ارواح انبیاء علیہم السلام کو دیکھتے ہیں، اور ان کی آوازیں سنتے ہیں، اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں، پھر مشاہدۂ صور وامثال کے حال میں اس قدر ترقی کر جاتے ہیں کہ اس کے بیان سے قوت ناطقہ عاجز ہو جاتی ہے، اور کوئی متکلم اس کی تعبیر ایسے الفاظ میں نہیں کر سکتا جو صریح خطا پر مشتمل نہ ہوں، بالآخر قرب الٰہی کے اس مقام پر پہونچ جاتے ہیں کہ بعض لوگ اس کو "حلول" خیال کرنے لگتے ہیں، اور بعض "اتحاد" اور بعض "وصول" مگر یہ سب خیالات غلط ہیں اور ان کے غلط ہونے کی وجہ ہم نے "المقصد الاقصیٰ" میں بیان کی ہے۔ ہاں جس نے اس حال کا مزہ چکھا ہے وہ اتنا کہہ سکتا ہے، کہ وکان ما کان مما لست اذکرہ۔ فظن خیرا ولا تسئل عن الخبر (سنا جو کچھ سنا کیا اس کا ذکر کروں پس تم گمان نیک ہی کرو اور نہ پوچھو کہ وہ کیا تھا)

جس شخص نے اس کا مزہ نہیں چکھا اس نے حقیقتِ نبوت سے سوائے نام کے کچھ نہ جانا۔ اولیاء کی کرامات انبیاء علیہم السلام کی بدایات ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حالت انہیں دنوں حاصل تھی، جب آپ دنیا سے قطع تعلق کر کے غار حرا میں تشریف لے گئے تھے، اور وہاں خلوت میں معبود برحق کی عبادت میں مشغول تھے، یہانتک کہ عرب یہ کہنے لگے کہ ان محمدا عشق ربہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رب سے عشق ہو گیا ہے، یہ وہ حالت ہے جس کو اہل ذوق۔ راہ سلوک طے کرتے ہیں بخوبی جانتے ہیں

اور جو اس ذوق سے محروم ہے وہ تجربہ اور سننے سے دریافت کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ ان اصحاب کی صحبت میں زیادہ رہے، یہ حال اہل صحبت کو علامات و قرائن سے بھی یقینی طور پر سمجھ میں آسکتا ہے، جو شخص ان پاک لوگوں کی صحبت میں رہے گا وہ یہ ایمان ان لوگوں سے حاصل کرے گا، یہ وہ قوم ہے جس کا ہم صحبت کبھی محروم و بدنصیب نہیں ہوتا، فہم قوم لا یشقی جلیسھم، اور جس کو یہ سعادتِ ذوق حاصل نہیں وہ دلائل و براہان سے بھی اس حالت کا یقین کر سکتا ہے، جیسا کہ ہم نے احیاء العلوم کی کتاب عجائب القلب میں بیان کیا ہے، براہان و دلیل سے اس حالت کا بیان کرنا علم ہے اور اس حالت کی مزاولت اور مشق رکھنا ذوق ہے، اور سن کر اور تجربہ کر کے اسکو حسن ظن سے مان لینا ایمان ہے۔

یہ تین درجے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ (جو لوگ تم میں سے ایمان لائے، اور نیز وہ لوگ جن کو علم عطا کیا گیا، اللہ تعالیٰ ان سب کے درجے بلند کر دیتا ہے) ان کے علاوہ ایک جاہل قوم[1] ہے، جو اصل حالت کی بالکل منکر ہے، وہ ایسی باتوں کو سن کر تعجب اور تمسخر کرتے ہیں، اور العجب العجب کا شور بلند کرتے ہیں، کہ یہ کیا ہذیان ہے، ان ہی کے حق میں قرآن حکیم ناطق ہے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ

(بعض منکرین) میں سے وہ لوگ ہیں، جو تیری باتیں سنتے ہیں، یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے باہر نکل جاتے ہیں، تو ان لوگوں سے جنہیں علم عطا کیا گیا ہے، کہتے ہیں کہ دیکھو اس نے کیا بات کہی: یہ وہی لوگ ہیں

---

[1] منکرِ اولیاء کے منکر اور احوال و اذواق اولیاء کے مکذب تمام سخن بات کا اسی جاہل قوم میں شمار ہوا ہے اہم لیسے دراز قد و دراز ریش نام نہاد فقراء سے گفتگو کی ہے، جو تصوف کے اساسی اصول سے بھی واقف نہیں ہوتے اور فنائے قلب کے مرتبے کے اولیاء کو برہمن زادہ قرار دیتے ہیں اور انکی تکذیب و تکفیر کرتے ہیں، اعاذنا اللہ منہم (میر ولی الدین)

جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے، اور وہ اپنی ہوا اور ہوس کی پیروی کرتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں امام احمد قشاشی نے کہا ہے کہ:

صوفیائے کرام کا مشکوٰۃ نبوت سے اقتباسِ نور اس وجہ سے ہے کہ حق تعالیٰ نے انہیں اپنے کرم اور احسان سے وہ فہم عطا فرمایا ہے جو بہت زیادہ لوگوں کو عطا نہیں کیا گیا، اسلئے بعض افراد کی نگاہوں سے وہ بنیاد ہی مستور ہو جاتی ہے، جس پر صوفیاء نے اپنے اصول قائم کئے ہیں، اور اسلئے وہ گمان کرتے ہیں کہ انکی کوئی بنیاد نہیں، لیکن جب تحقیق سے کام لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ ان کے گمان کے خلاف ہے،

اور یہیں پر شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے فتوحاتِ مکیہ میں ذکر کیا ہے:

السعید من وقف عند حدود اللہ ولم یتجاوزھا (سعید وہ ہے جو حدود اللہ پر توقف کرتا ہے، اور ان سے تجاوز نہیں کرتا)

وانا واللہ ما تجاوزنا منھا احدا ولکن اعطانا اللہ من الفھم عنہ تعالیٰ مالم یعطہ کثیرا من خلقہ فدعونا الی اللہ علی بصیرۃ من امرہ اذا کنا علی بینۃ من ربنا

اور ہم نے خدا کی قسم حد سے تجاوز نہیں کیا ہے، لیکن ہمیں خدائے تعالیٰ نے وہ فہم عطا کیا ہے، جو بہتوں کو نہیں دیا گیا، پس ہم نے خدا کی طرف بلایا، اس بصیرت کی بنیاد پر جو ہمیں دی گئی ہے، اور ہمیں اپنے رب سے روشن دلیل ملی ہے۔

فرق مراتب فہم ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے متعلق اہل اسلام میں کسی کو اختلاف نہیں، چنانچہ بخاری میں باب فکاک الاسیر میں ابی جحیفہؓ سے روایت ہے، کہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ ھل عندکم شیٔ من الوحی ما فی کتاب اللہ (کیا آپ کے

ل‍ه السمط المحیط از صفی الدین عبدالنبی انصاری الشہیر بالقشاشی مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد ١٣٢٧ھ صفحہ ١١٣ تا ١١٤

ہاں کوئی چیز وحی سے ہے جو قرآن میں نہیں۔

آپ نے جواب میں فرمایا لا والذی خلق الجنۃ و برأ النسمۃ ما اعلم الا فہمًا یعطیہ اللہ رجلاً فی القرآن

نہیں اس ذات کی قسم جس نے جنت کو پیدا کیا اور دانہ کو شگاف دیا کہ میں سوائے اس فہم کے جو خدا کسی شخص کو قرآن کے سمجھنے کے لئے عطا کرتا ہے کوئی چیز نہیں جانتا۔

اور کتاب العلم میں بخاری میں ابن ابی ابوجحیفہؓ سے روایت کی گئی ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ "ہل عندکم کتاب" کیا تمہارے ہاں کوئی کتاب ہے؟ فرمایا لا الا کتاب اللہ او فہم یعطیہ رجلا مسلمًا (الحدیث) ، نہیں سوائے کتاب اللہ، یا اس فہم کے جو ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے،

اس کی شہادت حق تعالیٰ کے اس قول سے ملتی ہے۔ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا (ہم نے سلیمان کو سمجھایا، اور ہر ایک کو حکم اور علم عطا کیا)

اس کی وضاحت اس عبارت سے ہوتی ہے، جو محب طبریؒ نے "ریاض النضرۃ" میں لکھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

کنت ادخل علی رسول اللہ وھو و ابوبکر یتکلمان فی علم التوحید فاجلس بینھما کانی زنجی لا اعلم ما یقولان (اخرجہ الملا فی سیرتہ)

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں داخل ہوا اس حال میں کہ آپؐ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ علمِ توحید کے بارے میں گفتگو فرما رہے تھے، اور میں ان دونوں کے درمیان ایسا بیٹھا کہ گویا میں زنگی ہوں، نہیں جانتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا،

حملت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعائین من العلم اما الواحد فبثثتہ بینکم واما الآخر فلو بثثتہ قطع منی ھذا البلعوم

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو ظرف حاصل کئے ہیں، ان میں سے ایک تو میں نے تم پر فاش کیا، اور اگر دوسرے کو فاش کرتا تو یہ میرا حلق کاٹا جاتا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے سینۂ بے کینہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا تھا ان ههنا لعلوماً جمةً لو وجدت لها حملة . یہاں علوم کا ایک انبوہ ہے، کاش میں ان کے حاملین کو پاتا،

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار مشہور ہیں:-

انی لاکتم من علمی جواهره ۞ کیلا یری الحق ذو جهل فیفتتنا ؟
وقد تقدم فی هذا ابو حسن ۞ الی الحسین ووصی قبله الحسنا
ورب جوهر علم لو ابوح به ۞ لقیل انک ممن یعبد الوثنا
ولاستحل رجال مسلمون دمی ۞ یرون اقبح ما یاتونه حسنا[1]

یعنی میں اپنے علم کے جواہر کو پوشیدہ رکھتا ہوں، تاکہ جاہل حق کو نہ دیکھے اور ہمیں دروغ گو نہ جانے، ابوحسن (علیؓ) نے اس کو حسینؓ پر پیش کیا، اور ان سے قبل حضرت حسنؓ کو اس کی وصیت کی، بہت سارے جواہر علمی ہیں کہ اگر میں ان کو آشکارا کردوں تو کہا جائے گا کہ تو ان لوگوں میں سے ہے جو بتوں کی عبادت کرتے ہیں، اور مسلمان میرے خون کو حلال جانیں، اور اپنے (اس) بدترین کام کو اچھا سمجھیں

شیخ الطائفہ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔

اخذتم علمکم میتا عن میت واخذنا علمنا عن الحی الذی لایموت ۔

تم نے اپنا علم جو مردہ ہے مردہ سے حاصل کیا ہے، اور ہم نے اپنا علم اس زندہ سے حاصل کیا ہے جو کبھی نہیں مرتا۔

پرشد ز شراب عشق جان و دل من ۞ وز لوح وجود شست نام دل من
گفتی سخنے شہد زبانم ہمہ روز ۞ امروز رسید خوش بکام دل من!

---

[1] الیواقیت والجواہر للشعرانی نقل الامام الغزالیؒ فی الاحیاء وغیرہ عن الامام زین العابدینؓ علی بن الحسینؓ قال الغزالیؒ والمراد بہذا العلم الذی یستحلون بہ دمہ ہو العلم اللدنی الذی ہو علم الاسرار ص۱۹ ۔

کہا جاتا ہے کہ امام فخر الدین رازیؒ نے شیخ نجم الدین کبریٰ سے پوچھا کہ "بما عرفت ربک" اپنے پروردگار کی معرفت تو نے کس چیز سے حاصل کی؟ آپ نے جواب میں فرمایا۔ بوادات ترد علی القلوب فتعجز النفوس عن تکذیبھا۔ ان واردات کی وجہ سے جو قلب پر نازل ہوتی ہیں اور نفوس انکی تکذیب سے عاجز ہو جاتے ہیں۔

صوفیائے باصفا کی شان میں کیا خوب یہ اشعار ہیں۔ ؎

اہل صیقل رستہ انداز بو و رنگ | ہر دمے بینند خوبی بے درنگ
نقش و قشر علم را بگذاشتند | رایتِ عین الیقیں بر داشتند
ذوق و فکر و روشنائی یافتند | بحر بہر آشنائی یافتند!
مرگ کز وے جملہ اندر وحشتند | می کنند ایں قوم بروے ریشخند
کس نیابد بر دل ایشاں ظفر | بر صدف آید ضرر نے بر گہر!
گرچہ نحو و فقہ را بگذاشتند !! | لیک محو و فقر را برداشتند
برتر انداز عرش و کرسی و خلا! | ساکنان مقعد صدق خدا!
صد نشاں دارند محو مطلق اند | چہ نشاں بل عین دیدار حق اند!

عقل و دانش علوم رسمیہ ہی پر منحصر نہیں۔ ؎

وبین المحبین سر لیس یفشیہ | قول ولا قلم بخلق یحکیہ

محبت کرنیوالوں کے درمیان ایک راز ہوتا ہے جو نہ گفتگو کے احاطہ میں آتا ہے اور نہ اس کو قلم دوسروں کے سامنے بیان کر سکتا ہے۔

؎

عاقلاں نقطہ پرکار وجود اند ولے | عشق داند کہ دراں دائرہ سرگرداند
وصف رخسارۂ خورشید زخفاش مپرس | کہ دریں آئینہ صاحب نظراں حیراند

(۸) میر حسین ابن معین میبذیؒ فواتح میں تحریر فرماتے ہیں[1]۔

---

[1] فواتح خمسہ از میر حسین بن معین الدین میبذیؒ، مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد ص ۱۵،۱۴

"درطریق تصوف انوارِ الٰہی است و فیوض غیر متناہی و معرفت اشیاء کماہی از ماہ تا بماہی۔"

علم التصوف علم لیس یعرفه — الا اخو فطنة بالحق معروف
ولیس یعرفه من لیس یشهده — وکیف یشهد ضوء الشمس مکفوف

یعنی علم تصوف وہ علم ہے جس کو وہی جان سکتا ہے جو صاحب عقل وحق معروف ہو، اور اس کو وہ ہرگز نہیں جان سکتا جو اس کا مشاہدہ نہیں کرتا، ظاہر ہے کہ آفتاب کی روشنی کا اندھا کیسے مشاہدہ کر سکتا ہے۔

۵

تا من خبر از طور تصوف دارم! — بر ماضی عمر خود تاسف دارم
چوں ترک تعلقات رسمی کردم — صد عیش و نشاط بے تکلف دارم

ونهج سبیلی واضح لمن اهتدی
ولکنها الاهواء عمت فاعمت

یعنی ہمارا طریقہ راہ واضح ہے اس شخص کے لئے جو ہدایت یافتہ ہے، لیکن خواہشات نفسانی نے اکثر کو اندھا کر دیا ہے، اور وہ اندھے ہو گئے ہیں، حق تعالیٰ نے جن افراد کو اپنے کرم و احسان سے فہم عطا کیا ہے کیا انہوں کے انکار سے اس کا ابطال لازم آتا ہے۔

اتقدح فیمن شرف الله قدره — وما زال مخصوصا بطیب الثناء
رجال لهم سر مع الله صادق — ولا انت من ذاك القبیل ولا انا

کیا تو اس شخص کی عیب جوئی کرتا ہے جس کا مرتبہ اللہ نے بڑھایا ہے اور جس کے لئے اچھی تعریف ہی مخصوص رہی ہے، مردان خدا ایسے ہی ہیں جن کا اللہ سے سچا راز ہے، اس قبیل سے نہ ہی تو ہے اور نہ میں۔

اسی لئے شیخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا تھا، "تا چراغ فقر افروختہ ام دہ شفا سوختہ ام" (یعنی جب سے میں نے فقر کا چراغ روشن کیا ہے، بو علی سینا کی شفا جیسی دس کتابوں کو آگ لگا دی ہے۔

یہ اشعار انہی کے ہیں

ولو قلت للقوم انتم علیٰ	شفا حفرۃ من کتاب الشفا
فلما استھانوا بتوبیخنا	فئنا الیٰ اللہ حتی کفی
فماتوا علی دین رسطالیس	وعشنا علی ملۃ المصطفیٰ

میں نے قوم سے کتنی بار کہا کہ ابن سینا کی کتاب شفا پڑھ کر تم غار کے کنارے سے پہونچ چکے ہو، جب انہوں نے ہماری توبیخ کو ناقابل اعتبار اور غیر اہم سمجھا تو ہم خدا کی طرف متوجہ ہو گئے، یہاں تک کہ وہ ہمارے لئے کافی ثابت ہوا، بس وہ تو ارسطو کے دین پر مرے، اور ہم نے دین مصطفویؐ پر زندگی بسر لی۔

اسی مفہوم کو اس طرح ادا کیا گیا ہے۔

فکر بہبود خود اے دل زدر دیگر کن	درد عاشق نشود بہ بدوائے حکیم
غنچہ گوں تنگ دل از کار فرو بستہ مباش	کز دم صبح مدد یابد انفاس نسیم
دام سخت است مگر یار شود فضل خدا	ورنہ آدم نہ برد صرفہ ز شیطان رجیم

صاف ظاہر ہے کہ دلیل وحجت کی غایت مناقشہ واختلاف اور قیاس عقلی کی اساس ظن وگزاف کے سوا کچھ نہیں، جیسا کہ قرآن حکیم نے رہنمائی فرمائی ہے۔ مَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (ان میں سے اکثر اپنے ظن یا گمان کی پیروی کرتے ہیں، ظن یا گمان معرفت حق کے لئے کافی نہیں) امام اہل کلام فخرالدین رازیؒ کو بالآخر اعتراف کرنا پڑا کہ:۔

نہایت اقدام العقول عقال	واکثر سعی العالمین ضلال
عقلوں کے قدم کی انتہا عقال یا پابندی ہے	اور عالموں کی اکثر کوششوں کا نتیجہ گمراہی ہے
ولم قد رأینا من رجال ودولۃ	فبادوا جمیعا مسرعین وزال
میں نے اکثر لوگوں کو دیکھا اور ان کی دولت کو !	جلد ہی وہ ہلاک ہو گئے، اور ان کی دولت پر زوال آگیا
وکم من جبال قد علت شرفاتھا	رجال فزالوا والجبال جبال
بہت سے پہاڑ ایسے ہیں کہ ان کی بلندیوں پر بہادر چڑھے	پھر وہ اتر گئے، لیکن پہاڑ کا علو برقرار رہا۔
وارواحنا فی وحشۃ من جسومنا	وحاصل دنیانا اذی ووبال
ہماری روحیں ہمارے جسموں سے وحشت کرتی ہیں	اور ہماری دنیا کا حاصل اذیت و وبال کے سوا کچھ نہیں

ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا — سوی ان جمعنا فیه قیل وقال

ہمیں مدت العمر ایسی بحثوں سے کوئی فائدہ نہ ہوا — سوائے اس کے کہ ہم نے قیل وقال کا ایک ذخیرہ جمع کر

چراغ عقل سے راہ حق کا پانا محال ہے اور برہان ودلیل کے ذریعہ مطلوب اصلی تک پہونچنا ناممکن ہے، اسی لئے کسی دانائے راز نے کہا تھا۔

لقد طفت فی تلک المعاهد کلها — وصیرت طرفی بین تلک المعالم

میں نے ان تمام منازل کا طواف کیا۔ — اور ان نشانیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ

فلم ار الا واضعا کف حائر — علی ذقن او قارعا سن نادم

مجھے اس کے سوا کچھ اور نظر نہ آیا کہ لوگ اپنے بہت پریشان — کو ٹھوڑی پر رکھے ہوئے ہیں یا دانت پیس رہے ہیں

جب تک کہ آفتابِ نبوت کی روشنی طالب کے دل کو منور نہیں کرتی راہ مقصود نظر نہیں آتی، ہواجسِ نفسانی اور وساوس شیطانی سے نجات اسی وقت ممکن ہے جب ہم طفل مکتب علمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما بن جائیں، اور سالکان راہ طریقت و مالکان ممالک حقیقت کے سامنے زانوے ادب طے کریں۔

بقیاساتِ عقل یونانی! — نتواں یافت ذوق ایمانی!

عقل خود کیست تا بمنطق ورائے — رہ برد با جناب پاک خدائے

گر بمنطق کسے ولی بودے؟ — شیخ سینا ابوعلی بودے

چشمِ عقل از حقائق ایماں — ہست چوں چشمِ اکمہ از الواں

عارف سامی ملا جامی قدس سرہ "نفحات الانس" میں سید المحققین السید الشریف الجرجانی ؒ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ انہیں خواجہ علاء الدین عطار قدس اللہ روحہ کے سلسلہ میں داخل ہونے کی توفیق حاصل ہوئی، خواجہؒ سے انہیں نیاز واخلاص تام تھا۔ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ میں جب تک شیخ زین العابدین علی کلاںؒ (جو مشائخ شیراز سے تھے) کی صحبت میں حاضر نہ ہوا مجھے رفض سے نجات حاصل نہیں ہوئی، اور جب تک خواجہ علاء الدینؒ کی صحبت میں نہیں بیٹھا خدا کو نہیں پہچانا۔

اسی طرح صاحب دمغ الباطل شاہ رفیع الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ انتساب ائمۃ اهل العقل بالاخرۃ الی اهل هذا الشان وانتساب شیخ الفلاسفۃ ابی علی بن سینا

الشیخ ابی الحسن الخرقانی وابی سعید المیہنی وامام المتکلمین الفخر الرازی الی الشیخ ابن العربی وکذا رجوع طائفۃ من اصحاب البرھان الی مشرب ھذا الشان شائع ذائع۔

ائمہ اہل عقل کا بالآخر اس شان کے بزرگوں کی طرف انتساب اور شیخ الفلاسفہ ابی علی بن سینا کا شیخ ابوالحسن الخرقانی اور ابوسعید المیہنی سے اور امام المتکلمین فخرالدین رازی کا شیخ ابن عربی سے اور اسی طرح اصحاب برہان کی جماعت کا صوفیہ کے مشرب سے انتساب بہت زیادہ مشہور ہے۔

شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی فرماتے ہیں (ملخصاً)

"وہ علماء جو متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجاہدہ کرتے ہیں اور صحابہؓ کی اقتدا کرتے ہیں وہ تین قسم کے ہوتے ہیں، اصحاب حدیث، فقہاء اور صوفیاء اصحاب حدیث نے ظاہر حدیث سے اپنا تعلق پیدا کیا اور اس کے سماع ونقل میں مشغول ہوگئے اور ان میں سے صحیح اور سقیم کی تمیز کرنے لگے، وہ دین کے محافظ اور نگہبان ہیں، فقہاء کو اصحاب حدیث پر فضیلت اس لئے دی گئی ہے کہ یہ فہم اور استنباط فقہ حدیث سے مختص ہوئے، اور نظر دقیق سے ان پر غور کیا، صوفیاء نے ان دونوں سے معتقدات میں اتفاق کیا، اور ان کے علم کو قبول کیا، اور اپنے معاش رسوم میں ان سے اختلاف نہیں کیا، اور اس کے بعد علوم عالیہ واحوال سنیہ سے مختص وممتاز ہوئے، جیسے توبہ، زہد، ورع، صبر، رضا، توکل، محبت، مشاہدہ ویقین، قناعت، صدق واخلاص، شکر، ذکر وفکر ومراقبہ، اعتبار، وجد، جمع وتفرقہ، فناوبقاء معرفت نفس ومجاہدات وریاضات، دقائق ریا، شہوات خفیہ وکیفیت اخلاص"[1]

شیخ الشیوخ شہاب الملۃ والدین عمر السہروردیؒ نے صوفیہ کے گروہ پرشکوہ کی اس طرح توصیف کی ہے۔

---

[1] آداب المریدین از ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقادر بن عبداللہ السہروردی مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد ورق ۲۱

صارت ضمائرهم من مواهب الانس مملوءة ومرائی قلوبهم بنور القدس مجلوة فتهيئات لقبول الامداد القدسية واستعدت لورود الانوار العلوية واتخذت من الانفاس العطرية جلاسا واقامت على الظاهر والباطن من التقوى حرا سا واشتعلت فی ظلم البشرية من اليقين نبراسا واستحقرت فوائد الدنيا ولذاتها وانكرت مصائد الهوى وتبعاتها وامتطت عوارب الرغبوت والرهبوت واستفرشت بعلوء همتها بساط الملكوت، وامتدت الى المعالی اعناقها وطمحت الى اللامع العلوی احداقها، واتخذت من الملاء الاعلى سمراً ومجاوراً، ومن النور الاعز مزاوراً ومجاوراً اجساداً رضية بقلوب سماوية واشباح فرشية بارواح عرشية، نفوسهم فی منازل الخدمة سيارة وارواحهم فی فضاء القرب طيارة مذاهبهم فی العبودية مشهورة واعلامهم فی اقطار الارض منشورة يقول الجاهل بهم فقدوا وما فقدوا ولكن سمت احوالهم فلم يدركوا وعلى مقامهم فلم يملكوا كائنين بالجسمان، بائنين بقلوبهم عن اوطان الحدثان، ارواحهم حول العرش طواف وبقلوبهم من خزائن البر اسعاف يتنعمون بالخدمة فی الدياجی ويتلذذون من وهج الطلب بظماء الهواجر تسلوا بالصلوات عن الشهوات وتعوضوا بحلاوة التلاوة عن اللذات يلوح من صفحات وجوههم بشر الوجدات ويتم على مكنون سرائرهم نضارة العرفان لايزال فی كل عصر وزمان منهم علماء قائمون بالحق داعون للخلق منحواء لحسن المتابعة رتبة الدعوة وجعلوا المتقين قدوة فلايزال يظهر للخلق آثارهم وتزهر فی الآفاق انوارهم من اقتدى بهم اهتدى، ومن انكرهم ضل وغوى[1]

ان کے قلوب انس کی خوشبوؤں سے پُر ہوتے ہیں، اور ان کے دلوں کے آئینے

---

[1] عوارف المعارف الخ

انوارِ قدس کے جلا یافتہ، پس وہ امداد قدسیہ کے قبول کے لئے تیار ہوئے اور انوار علویہ کے ورود کے لئے مستعد اور انوار عطریہ کے لئے ہم نشین حاصل کئے، اور ظاہر و باطن پر تقوی کی نگہبان قائم کئے، اور بشریت کی تاریکیوں میں انہوں نے یقین کے چراغ روشن کئے، دنیا کے فائدے اور لذتوں کو انہوں نے حقیر جانا، خواہشِ نفسانی کی شکار گاہوں اور انکے متبعین کو انہوں نے ناپسند کیا، خوف و رجا کی بلندیوں پر وہ ناز کے ساتھ چلے، اور اپنے علو ہمت کی وجہ سے بساطِ ملکوت کو طے کیا، ان کی گردنیں بلندی کی طرف اٹھیں اور ان کی نگاہیں لوامع علوی کی طرف لگیں، انہوں نے ملاء اعلیٰ (یعنی فرشتوں کے گروہ) کو قصہ گو و سخن سنج بنایا، اور نورِ عزیز تر اور دور تر (اعز و اقصیٰ) کو نزدیک کیا، ان کے جسم ارضی لیکن قلوب سماوی ہیں، ان کے جسد فرشی لیکن روحیں عرشی ہیں، ان کے نفوس منازل خدمت کی سیر کرنے والے اور ان کی روحیں فضائے قرب میں اڑنیوالی ہیں، انکے مذہب عبودیت و بندگی میں مشہور ہیں، اور ان کے نشان اقطار عالم میں ہویدا ہیں، ان کے متعلق جاہل کہتا ہے کہ انہوں نے (راہ) گم کر دی ہے، حالانکہ انہوں نے راہ گم نہیں کی، بلکہ ان کے احوال پوشیدہ ہو گئے، اور جاہل نے ان کا ادراک نہیں کیا، اور ان کے مقامات پر عبور حاصل نہ کر سکا، بظاہر اپنے بدن سے موجود ہیں، اور اپنے قلوب کے اعتبار سے جدا ہیں، خالق کے مقام سے ان کی روحیں عرش کے گرد بہت طواف کرتی ہیں، اور ان کے قلوب کی نیکی کے خزانے حاجت روائی کرتے ہیں، شب ہائے تاریک میں وہ خدمت سے خوشی حاصل کرتے ہیں اور شدتِ طلب کی وجہ سے دوپہر کو تشنگی سے متلذذ ہوتے ہیں، یعنی شدت طلب میں حرارت شوق سے اس قدر تشنہ ہیں کہ گرم و سردی کی پرواہ نہیں کرتے (۴) نماز کی وجہ سے خواہشات نفسانی سے فارغ ہیں، اور تلاوت کی حلاوت

پاکر لذات سے بے پرواہ ؛ ان کے چہروں سے ان کے قلب کی خوشی مہکتی ہے اور انکے مکنون قلبی سے تازگی عرفان تمام ہوتی ہے۔ ہر زمانے میں ایسے علماء حق موجود رہے ہیں جو خلق کو خدا کی طرف بلاتے ہیں، انکے حسن اقتدار کی وجہ سے دعوت خلق کا رتبہ عطا کیا گیا ہے، اور وہ متقیوں کے پیشوا قرار دیے گئے ہیں، ان کے آثار ہمیشہ خلق پر ظاہر ہوتے رہیں گے، اور عالم میں ان کے انوار چمکتے رہیں گے، جو بھی انکی اقتدار کرے گا وہ ہدایت پائے گا، اور جو ان کا انکار کرے گا وہ گمراہ و کج راہ ہوگا۔

ملا علی قاری حنفی ہروی نے شرح آداب المریدین میں لکھا ہے کہ ان سے شیخ عارف شہاب الدین سہروردی نے فرمایا کہ میں ابتداء میں علم کلام کے حصول میں مشغول رہتا تھا، اور اسی مقصد سے میں نے متعدد کتابیں حفظ کر لی تھیں، اس سے میرے چچا مجھے منع کرتے تھے، اور میں اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتا، ایک روز انہوں نے قطب ربانی غوث صمدانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا، اور میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا، میرے چچا نے مجھ سے کہا، حاضر قلب رہ کہ تو ایسے شخص کے حضور میں جا رہا ہے جس کا قلب اپنے رب سے خبر حاصل کرتا ہے، اور اس کی برکاتِ نظر کا منتظر رہ، جب ہم بیٹھ گئے تو میرے چچا نے کہا " یاسیدی یہ میرے بھائی کا لڑکا ہے، اور علم کلام کے حصول میں بڑا حریص ہے میرا اس کو منع کرنا مفید ثابت نہ ہوا "، وہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے، حضرتؒ نے فرمایا " تو نے کونسی کتابیں حفظ کی ہیں؟ " میں نے عرض کیا " فلاں فلاں " آپ نے اپنے دست مبارک سے میرے سینہ پر مسح کیا، اور خدا کی قسم کہ مجھے ان کتابوں میں سے ایک لفظ یاد نہ رہا، جن کو میں ساری عمر حفظ کرتا رہا تھا، اور میرا سینہ علوم لدنیہ و عوارف ربانیہ سے بھر گیا، پس میں لسان ناطق و قلب صادق لے کے ان کے پاس سے اٹھا، آپ نے فرمایا " اے عمر تو عراق کی آخری مشہور ہستی ہوگا "، اور یہی ہوا، اور شیخ شہاب الدین اپنے وقت کے شیخ الشیوخ بالاتفاق قرار پائے، یقین کا دروازہ شیخ شہاب الدین پر اسلئے کھلا کہ وہ اولیاء کے ساتھ حسن عقیدت رکھتے تھے۔

اس کے برخلاف سعد الدین تفتازانی کا حال رہا، ایک مرتبہ خواجہ بہاء الدین نقشبند نے انہیں اس حال میں دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں پانی کا پیالہ تھا، اور فرمایا ہمارے پاس آ، اور ہماری طرف متوجہ ہو، کہ ہم اس پیالہ کو اس شہد سے بھر دیں جو ہمارے ہاں ہے، اس نے انکار کیا اور کہا، کہ میں ڈرتا ہوں کہ آپ کے قرب کی وجہ سے اس پانی کو بھی گرا نہ کردوں، اور آپ کی محبت جو کچھ بھی میرے ہاں ہے وہ بھی معدوم نہ ہو جائے، اس طرح وہ مقام قرب سے محروم رہا، اور حجاب کتب پر قانع رہا، اپنے غرور و عُجب کی وجہ سے اس نے یہ نہ جانا کہ اولیاء کی نظر اکسیر ہوتی ہے اور اس میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔ اصحاب کہف کے کتے اور شیخ نجم الدین کبریٰ کے کتے کا حال مشہور ہی ہے۔ وھو سبحانہ علی مایشاء قدیر۔ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تجربہ کی بات کہی ہے۔

روضۂ خلد بریں خلوت درویشاں است
مایۂ محتشمی خدمت درویشان است

گنج عزلت کہ طلسمات عجائب دارد
فتح آں در نظر رحمت درویشان است

قصر فردوس کہ رضوانش بدربانی رفت
منظرے از چمن نزہت درویشان است

آنچہ زر می شود از پرتو آں قلب سیاہ
کیمیائیست کہ در صحبت درویشان است

آنکہ پیشش بنہد تاج تکبر خورشید
کبریائیست کہ در حشمت درویشان است

دولتے راکہ نباشد غم آسیب زوال
بے تکلف بشنو دولت درویشان است

خسرواں قبلۂ حاجات جہاں اند ولے
از ازل تا ابد فرصت درویشان است

روئے مقصود کہ شاہان جہاں می طلبند
نظرش آئینۂ طلعت درویشان است

اے توانگر مفروش ایں ہمہ نخوت کہ ترا است
سر وزر در کنف ہمت درویشان است

حافظا ایں جا بادب باش کہ سلطان و ملک
ہمہ در بندگی حضرت درویشان است

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صفوۃ الصفوہ میں امام معروف کرخی کے حالات میں ذکر کیا ہے کہ امام احمدؒ اور ابن معینؒ کے درمیان جب اختلاف ہوتا تو وہ معروف کرخیؒ جو مشائخ اکابر صوفیاء سے تھے، کی طرف رجوع کرتے اور ان سے پوچھا کرتے، یہ دونوں علم ظاہری میں ان سے زیادہ جاننے والے تھے۔

اور بعض وقت کہتے صنعیت العمر العزیز فی تصنیف المبسیط والوسیط والوجیز (میں نے اپنی عمر بسیط و وسیط و وجیز کی تصنیف میں ضائع کی)

تصوف کے اسرار معلوم کرنے کے بعد آپ نے "منقذ من الضلال" مشکوٰۃ الانوار، اور احیاء العلوم جیسی کتابیں تصنیف فرمائیں، اور صوفیاء کے معارف و مسائل کی تحقیق کی، خصوصاً مسئلہ وحدۃ الوجود، اور سماع کی، معاصرین میں سے بعض نے ان کا شدت سے انکار کیا، اور کفر کا فتویٰ دیا، اور کتاب" احیاء العلوم" کو نذر آتش کیا، پھر حق تعالیٰ نے ان کی تائید فرمائی اور ان کی اسی کتاب کو آب زر سے لکھا گیا۔

یہی حال ابن جوزی کا تھا، جو صوفیاء کے شدید منکرین میں سے تھا، اور ان سے کامل منحرف، اس نے اپنی کتاب تلبیس ابلیس لکھی اور اس میں امت کے مختلف فرقوں اور خصوصاً صوفیاء نے جو خط ہر شریعت سے اختلاف کیا ہے، وہاں شیطان کے دخول کی نشاندہی کی ہے، اور ان پر طعن کیا ہے، وہ امام محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی سختی سے انکار کیا کرتا تھا، اور اسی وجہ سے اس کو پانچ سال تک تہ خانہ میں قید کیا گیا تھا، جیسا کہ فصول ستہ وغیرہ میں اس کا ذکر کیا گیا ہے، جب وہ شیخ جیلی کے حضور میں حاضر ہوا، اور ان کا وعظ سنا، تو اس پر شدید وجد طاری ہوا، اس نے اپنے کپڑے پھاڑ دیئے، چنانچہ لمی نے سند سے اس کی روایت کی ہے، اور شاید اسی تغیر کے بعد اس نے اپنی کتابیں صفوۃ الصفوۃ" اور ثبات عند الممات تالیف کی ہیں۔

امام حجۃ الاسلام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے، کہ علماء ظاہر میں جو اہل ورع گذرے ہیں، علماء باطن و ارباب قلوب کے فضل و کمال کا اقرار کرتے ہیں چنانچہ امام شافعیؒ شیبان راعی کے سامنے اس طرح زانوئے ادب طے کر کے بیٹھا کرتے تھے جیسا کہ ایک بچہ مکتب میں بیٹھا کرتا ہے، اور پوچھتے تھے کہ فلاں فلاں معاملہ میں کیا عمل کیا جائے کسی نے ان سے کہا کہ کیا تجھ جیسا عالم اس بدوی سے سبق لیتا ہے؟ آپ نے فرمایا ان هذا دفق لما اغفلناه، ان کو توفیق عطا کی گئی ہے جس سے ہم نے غفلت کی۔ اسی طرح امام احمد ابن حنبل اور یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنا اختلاف معروف کرخیؒ کے سامنے پیش کیا کرتے تھے (حالانکہ وہ علم ظاہری میں ان سے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتے تھے) اور پوچھا

رکھنا چاہتے ہیں، اور بعض افشاء کے قائل ہیں، چنانچہ کتمانِ اسرار کے قائلین میں سے کسی کا قول ہے۔

ابکی الی الشرق ان کانت منازلکم من جانب الغرب خوف القیل والقال
اقول بالخد خال حین اذکرہ خوف الرقیب وما بالخد من خال

یعنی میں مشرق کی طرف منہ کر کے روتا ہوں، اگر تمہارے گھر مغرب کی جانب ہیں، اور محض قیل و قال کے خوف سے ایسا کرتا ہوں، جب میں اس کا تذکرہ کرتا ہوں تو کہتا ہوں کہ اس کے رخسار پر تل ہے، اور محض رقیب کے خوف سے ایسا کہتا ہوں۔ حالانکہ وہ رخسار پر تل نہیں رکھتا۔

اور جو افشاءِ راز کرنا چاہتے ہیں وہ صاف کہتے ہیں۔

الا اسقنی خمرًا وقل لی ھی الخمر ولا تسقنی سرًا اذا امکن الجھر
وبح باسم من اھوی ودعنی من الکنی فلا خیر فی اللذات من دونھا ستر

ہاں مجھے شراب پلا، اور مجھ سے کہہ کہ یہ شراب ہے، پوشیدہ نہ پلا، جب آشکارا پلانا ممکن ہے، اس محبوب کا نام بآوازِ بلند پکار جس کو میں چاہتا ہوں اور کنیت سے کام نہ رکھ ان لذات میں کوئی بہتری نہیں جن پہ پردہ پڑا ہو۔

قصہ مختصر یہ کہ درویشی کی نفی جہالت و ضلالتِ محض ہے۔ کسی کا کیا ہوتا ہے، ایسا شخص خود حصولِ کمال سے محروم رہتا ہے۔ ہاں ہم یہ ضرور مانتے ہیں کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض وقت ملحد بصورتِ موحد نظر آتا ہے، اور زندیق صدیق کی روپ میں، ان میں تمیز مشکل ہو جاتی ہے اور طالبِ صادق کو بڑی حیرانی ہوتی ہے۔

چنانچہ حافظ شیرازیؒ نے تنبیہ کی تھی۔ ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند
ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند
غلامِ ہمتِ آں رندِ عافیت سوزم کہ نہ ہر گدا صنعتِ کیمیا گری داند

اسی لئے بار بار تاکید کی گئی ہے کہ "حاضر باش تا صید اہل شید نشوی و بفریب شیطان از راہ نروی"۔ ؎

صوفی نہاد دام و سرِ حقہ باز کرد | بنیاد مکر با فلک حقہ باز کرد!
(صوفی مراد ظاہر پرست ۱۲ — شعبدہ دیگر در مکرش نہاد — شعبدہ باز ۱۲)

اے دل بیا کہ ما بہ پناہِ خدا رویم | از آنچہ آستین کوتہ و دست دراز کرد
(یعنی کم ہمتی داری و دست دراز کر جوئی ۱۲)

فردا کہ پیش گاہ حقیقت شود پدید | شرمندہ رہروے کہ عمل بر مجاز کرد
(مرتبہ ۱۲ — عاشقے ۱۲)

اور تنبیہ کرنے والوں نے صاف طور پر کہہ دیا تھا

نقد صوفی نہ ہمہ صافی بے غش باشد!
اے بسا خرقہ کہ شائستۂ آتش باشد! (حافظؒ)

گویند جامۂ کہ را ہے داریم | وز کسوت عارفاں پناہے داریم
گر تاج نمد کمال ایشاں باشد | ما نیز ازاں نمد کلاہے داریم

لیکن کیا کیا جائے ——— ع: صد خار را بہر گلے آب می دہند ——— جہاں ایک پھول ہوتا ہے وہاں سو کانٹے بھی ہوتے ہیں۔ کانٹوں کی کثرت سے پھول کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ اس کی طرف سے تغافل۔ ؎

در کسوت فقر کاملاں می باشند | در زیر نمد اہل دلاں می باشند
مقصود ز صد ہزار درویش یکے است | منکر نہ شوی کہ جاہلاں می باشند

اس مقالہ کے ختم پر ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق میں صوفیائے کرام کے انکار کی جو وجوہ ہیں ان کو پیش کر دیں، اور شیخؒ نے ان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا اظہار کر دیں، اپنی بے نظیر تصنیف "مرج البحرین" میں شیخ عارف محقق فرماتے ہیں "صوفیاء سے انکار کی پانچ وجہیں ہیں۔

(۱) پہلی وجہ تو یہ ہے کہ لوگوں کی نظر صوفیاء کے علوئے مرتبت، رفعتِ شان، صفوۃ حال و ملاحظہ کمال پر رہتی ہے، لیکن جب صوفیہ رخصت (نہ کہ عزیمت) پر عمل کرنے لگتے ہیں، یا آداب میں سے کسی ادب کو چھوڑ دیتے ہیں، یا امور میں سے کسی امر میں مساہلۃ، یا نرمی سے کام لیتے ہیں، یا صفات نفس میں سے کسی صفت سے متصف ہو جاتے ہیں تو یہی ان کے

انکار کا باعث اور اعتراض کا سبب ہو جاتا ہے، چنانچہ جو چیز زیادہ پاک اور لطیف ہوتی ہے اس میں کسی بھی عیب یا نقصان کا ظہور زیادہ نمایاں نظر آتا ہے، جیسے کسی سفید کپڑے پر ایک سیاہ داغ آجائے۔ تو وہ صاف نظر آنے لگتا ہے۔

اس طرح جو انکار پیدا ہوتا ہے، اس کے دفع کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ ہمیں یہ اچھی طرح جان لینا چاہیئے کہ کسی فرد کے لئے کمال مطلق ثابت نہیں کیا جاسکتا، جو بھی ہے وہ نقص بشریت سے خالی نہیں، عصمت انبیاء کے لئے مخصوص ہے، خطا و زلت بلکہ معصیت کا وقوع (اگر وہ اصرار و ادمان کی حد تک نہ پہونچ جائے) مرتبۂ کمال اور درجہ ولایت کے منافی نہیں، کما تقرر

(۲) اس طائفۂ علیہ کے انکار اور اعتراض کی دوسری وجہ خود ان کے دقیق علوم اور لطیف اشارات ہیں، جو ہر شخص کی سمجھ میں جلد نہیں آتے اور نہ قیاس میں سماتے ہیں، دراصل علم تصوف شریف ترین، دقیق ترین، و لطیف ترین علم ہے، جس کی بنیاد کتاب و سنت و ذوق صحیح و کشف صریح پر قائم ہے۔ چنانچہ جنیدؒ فرماتے ہیں، کہ اگر کوئی علم اس نیلے آسمان کے نیچے تصوف سے زیادہ شریف ہوتا۔ تو ہم اور ہمارے سارے ساتھی اس کو حاصل کرنے کی سعی بلیغ کرتے۔

ہر علم جودتِ طبع اور قوت عقل اور قیل وقال و بحث و جدال کی مدد سے حاصل کیا جاسکتا ہے، سوائے اس علم تصوف کے۔ کہ اس کے حصول کے لئے سلامتی فطرت، صحتِ عقل، جودتِ فہم کے علاوہ، ریاضتِ نفس، تصفیۂ باطن اور تخلیۂ سِر از ماسوی اللہ بھی ضروری شرط ہے، اس سے انکار کا سبب قصور فہم، نقص استعداد، ضیق حوصلہ، فقدانِ معرفت و ضعف ایمان ہیں، بایں ہمہ اگر منکر ورع و خوف و حذر کی راہ اختیار کرتا ہے، تو وہ معذور ہے۔ لیکن از روئے انصاف تصوف ہی کا طریقہ قابل تسلیم ہے،

(۳) تیسری وجہ صوفیا سے انکار کی یہ ہے کہ اس گروہ میں بہت سارے مدعی ایسے گھس آئے ہیں، جو جھوٹے ہیں، فریبی ہیں، جو فروش گندم نما ہیں۔ صاحب غرض و طالب عوض ہیں۔ اب اگر کوئی محق دعویٰ حق کرتا ہے تو وہ بھی ظاہر بینوں کے نزدیک کاذب

اور بے حقیقت بات کہنے والا مبطل سمجھا جاتا ہے

یہاں دلیل و برہان کی ضرورت ہوتی ہے، جو مبطل کو محق سے، جھوٹے کو سچے سے جدا کر دے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دلیل صحیح بھی ہوتی ہے، لیکن دیکھنے والے کو قوتِ دریافت حاصل نہیں ہوتی، ایسی حالت میں توقف و تامل ہی بہتر ہے،

(۴) چوتھی وجہ عامۂ خلائق کی ضلالت اور گمراہی اور ورطۂ الحاد میں گرفتار ہونے اور ظاہر شریعت پر عدم اعتبار کا خوف ہے، اور ظاہر ہے کہ جاہلوں نے یہ ستم ضرور کئے ہیں، لیکن اس علم کا انکار نہیں ہے، بلکہ مصلحت و حکمت کے تحت ایسا کیا جاتا ہے - وذلك شئ آخر.

(۵) پانچویں وجہ صوفیاء سے انکار کی یہ ہے کہ انسان کے نفس میں عطائے حق میں بخل پایا جاتا ہے، وہ اعترافِ حق و طریق عدل و انصاف پر قیام و ثبات میں بتفاوت درجات کمزور ہوتے ہیں، اور چونکہ صوفیاء کا تعلق اور انکی توجہ حقیقت سے ہوتی ہے اور حقیقت کا ظہور اور اس کا غلبہ تمام اعتبارات کا باطل کرنے والا اور مٹانے والا ہوتا ہے، اور اسلئے کہ صوفیاء کو زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی شہرت عام، قبولیت انام رجوع خلق اور عزت و غلبہ حاصل ہوتا ہے، جو فقہاء اور علماء ظاہر کو نصیب نہیں ہوتا، ناچار لوگوں کے دلوں میں انکی طرف سے حسد پیدا ہوتا ہے، وہ اہل کمال کی تنقیص کرنے لگتے ہیں اور عوام کو ان سے بے اعتقاد کرنے لگتے ہیں - وذلك نفثة الصدر: ایسے لوگ اپنے انکار میں معذور نہیں، بلکہ محروم و مغبون ہیں عبّاد و عرفاء کا ذکر جمیل اور آوازۂ نیک انکے مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے، جس سے فقہاء اور علمائے ظاہر محروم رہتے ہیں، کیونکہ وہ حلیۂ تصوف و تعبد اور توجہ الی اللہ سے عاری ہوتے ہیں، فقہ صفات نفس میں سے ایک صفت ہے، جو نفس کے فوت ہونے سے خود بھی فوت ہو جاتی ہے، اور عرفاء اور عباد کی نسبت پروردگار حی و باقی سے ہوتی ہے، جو ازل سے ابد تک باقی و قائم ہے، وہ شخص کیسے مر سکتا ہے جس کی نسبت حی و لا یموت سے بے علت نفس استوار ہو چکی ہو، - ؎

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

لہذا مجاہد فی سبیل اللہ جنہوں نے شرف شہادت حاصل کر لیا ہے۔ اور جنہوں نے تحقیق کلمۃ اللہ واعلائے دین حسی و معنوی طور پر کر کے حیات کی دونوں قسموں یعنی حسی و معنوی پر فائز ہو چکے ہیں وہ کیسے مر سکتے ہیں، لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ (ان لوگوں کو جو راہ خدا میں مارے گئے ہیں مردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں)

چونکہ صلحاء کا عمل اور عبادت موجب تحقیق و اعلائے معنوی کلمۃ اللہ ہیں۔ اسلئے وہ حیات معنوی سے مخصوص ہوتے ہیں، اور یہی انکے ذکر خیر و برکت اور دوام کرامت کا باعث ہوتی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ قد مات قوم وھم فی الناس احیاء (لوگ مر گئے، حالانکہ وہ لوگوں میں زندہ ہیں) مرج البحرین، مطبوعہ فتح پور ۱۲۶۵ھ ص ۵۶ تا ص ۵۸

شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے "عوارف" میں جو صاف طور پر بات کہی ہے، وہ منکرین تصوف کے پیش نظر رہنی ضروری ہے۔

"مراد از صوفیاء واصلان و کاملان اند کہ کلام مجید عبارت از ایشاں "بہ مقربان" کند، نہ جماعتے کہ بمجرد رسم و مطلق اسم از دیگراں متمیز و مخصوص باشند، وہرکہ بدرجہ مقربان حضرت جلال و سالکان صفت کمال رسیدہ اکابر طریقہ و ارباب حقیقت او را صوفی خوانند، خواہ مترسم بود برسوم متصوفہ خواہ نے، چنانچہ جنیدؒ را گفتہ ما التصوف؟ فقال ان یکون مع اللہ بلا علاقۃ و رویم گفتہ التصوف استرسال النفس مع الحق علی مایرید، و ابو محمد جریری گفتہ التصوف الدخول فی کل خلق سنی والخروج عن کل خلق دنی۔ و حضرت جنیدؒ گفتہ التصوف ھو ان یمیتک الحق عنک ویحییک بہ و معروف میان عوام مردم آنست کہ اسم صوفی بر کسے اطلاق کنند کہ مترسم بود برسوم صوفیاء و متلبس بود بزی ایشاں از اہل حقیقت بود یا نہ، خواص از متصوفہ اکثر مترسمان را صوفی نخوانند، بلکہ متشبہ بصوفیاں خوانند بسبب اختصاص اہل کمال چوں اسم آنست کہ اکثر ایشاں از قدماء مشائخ بجہت تقلل و تزہد از دنیا و مافیہا لباس پوشیدہ و از برائے تواضع یکدیگر را صوفی خوانند

وایں اسم درمیان ایشاں متعارف شدہ و شہرتے یافتہ در زبانہا متداول گشتہ۔

حاصل اس عبارت کا یہی ہے کہ صوفیا، وہ واصل و کامل افراد ہیں، جن کو کلام مجید میں فقراء کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور تصوف نفس کا حق کے ساتھ حق تعالیٰ کے ارادہ پر چھوڑ دینا ہے۔ (ردیمؒ)

تصوف ہر ایک نیک خصلت سے مزین ہونا ہے۔ اور تمام بری عادتوں سے قلب کا تخلیہ کرنا (جریریؒ)

تصوف اپنی ذات سے میت ہو جانا، اور حق تعالیٰ کی ذات سے بقا حاصل کرنا ہے (جنیدؒ) یعنی صوفی فانی از خویش و باقی بحق ہو جاتا ہے، اور یہی مراد ہے حق تعالیٰ کی معیت بلا علاقہ حاصل کرنے سے۔ (جنیدؒ)

اس علم مقدس کا انکار، اور اس کے حاملین فقراء کی نفی جہالتِ محض اور ضلالت صرف نہیں تو کیا ہے۔ شاہ تراب علی قلندرؒ نے اسی لئے نصیحت فرمائی تھی۔

اے گرفتار خودی طعن بدرویش کنی ۔۔۔ غیبت پاک درونان صفاکیش کنی
جاں سلامت نبری از نفس درویشاں ۔۔۔ لقمۂ شیر مشو دشمنی خویش مکن!

اور کیا خوب وصیت کی گئی ہے ؎

اے کہ از کش مکش قال و مقال ۔۔۔ نیستت حالت ارباب کمال
ہیچ نایافتہ در خود اثرے! ۔۔۔ نشنیدہ ز کساں جز خبرے
قابل کار نہ، معذوری! ۔۔۔ یا خود از کوشش آں بس دوری
باش کیں راہ گذارے دگرست ۔۔۔ ہر کسے قابل کارے دگرست
لیکن اندر پس انکار مرو! ۔۔۔ از جہاں منکر ایں کار مرو
بنگر حالت درویشاں را ۔۔۔ کوشش و سوزشِ عشق ایشاں را
کہ دریں رہ چہ طلب ہا دارند ۔۔۔ در طلب ہا چہ تعب ہا دارند

لہ منقول از رد حق الازہر ص۵۵

زیں طلب گر نہ خدا یافتہ اند　　ایں ہمہ بہر چہ بشتافتہ اند
در طلب ایں ہمہ جانبازی چیست　　مال و اسباب فدا سازی چیست
کشف اگر نیست قیاس تو کجاست　　عقل کو درک حواس تو کجاست

بارے ار نیست ترا وجدانے
معتقد باش و بیار ایمانے

(شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)

تصوّف اور سلوک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

خواجہ بندہ نوازؒ کا تصوف و سلوک

۱۔ تصوف کیا ہے؟

صوفی تصوف کی اصطلاح میں وہ شخص ہے جو "فانی از خویش و باقی بحق ہو" اپنی قیومیت ذاتیہ سے فانی اور حق تعالیٰ کی قیومیت سے باقی ہو۔ "مستخلص از طبع و متصل بحقیقۃ الحقائق ہو" جنیدؒ اور تستریؒ کا قول ہے کہ صوفیہ وہ لوگ ہیں جو قائم بحق ہیں اس طرح کہ خدا کے سوا انہیں کوئی دوسرا نہیں جانتا! کہا گیا ہے کہ تصوف کا اول علم ہے، اس کا اوسط عمل ہے اور اس کا آخر موہبت من اللہ! جنیدؒ فرماتے ہیں کہ تصوف ترکِ اختیار ہے، شبلیؒ کا قول ہے کہ تصوف "حفظِ حواس و مراعاتِ انفاس" کا نام ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ تصوف "طلب مقصود میں بذلِ مجہود ہے، انسِ بمعبود ہے، ترکِ اشتغال بمفقود ہے" صوفی کے متعلق کہا گیا ہے:۔

"الذی صفا من الکدر و امتلاء من الفکر و انقطع الی اللہ من البشر و استوی عندہ الذہب والمدر و الحریر والوبر"

یعنی صوفی وہ ہے جو کدورت سے پاک فکر سے مملو خلق سے کٹ کر حق سے متصل ہو گیا ہو، اور جس کے نزدیک سونا اور ڈھیلا، ریشم اور بال سب برابر ہیں، ابوالحسن نوریؒ تصوف کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ التصوف ترک کل حظ للنفس۔ یعنی تصوف تمام

حظوظِ نفسانی کا چھوڑنا ہے یعنی غیر شرعی حظوظِ نفسانی کا ترک کرنا ہے، صوفی ہوا و ہوس سے آزاد ہوتا ہے، وہ جانتا ہے کہ ع: تا در ہوسی اسیر اندر قفسی! تصوف اور صوفی کی تعریف میں اس قسم کی بہت سی باتیں مروی ہیں، اور تمام عبارتوں کا حاصل ایک ہی ہے اور وہ فنا و بقا و ایثارِ خدا و ترک ماسوئ ہے۔

جنیدؒ نے کہا تھا کہ "الصوفی کالارض" یعنی تواضع اور فروتنی میں صوفی زمین کے مانند ہے۔ اسی کو سعدیؒ نے اس طرح ادا کیا ہے۔

در خاک بیلقان برسیدم بعابدے — گفتم مرا بہ تربیت از جہل پاک کن
گفتا برو چو خاک تحمل کن اے فقیہ — یا ہرچہ خواندۂ ہمہ در زیر خاک کن

تصوف نام ہے تخلّق باخلاق اللہ و وقوف با آدابِ شرعیہ کا، ظاہر و باطن دونوں میں! حضرت امام قشیری (صاحب رسالہ قشیری) جس کی شرح خواجہ بندہ نوازؒ نے لکھی ہے! تصوف کو صفا سے ماخوذ سمجھتے ہیں، اور اسی لئے تصوف کی تعریف میں فرماتے ہیں۔ "الصفا محمود بکل لسان وضده الکدورة وھی مذمومة"

اور اس کی تائید میں ایک حدیث بھی نقل فرماتے ہیں، جس سے تصوف کے معنی کی وضاحت ہوتی ہے۔ اور اس کا ثبوت بھی حاصل ہوتا ہے۔ خرج علینا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم متغیر اللون فقال ذھب صفو الدنیا وبقی الکدر، فالموت الیوم تحفة لکل مسلم (رسالہ قشیریہ ص۱۲۶)

یعنی ابو جحیفہؓ نے کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف فرما ہوئے اس حالت میں کہ آپؐ کا رنگ متغیر تھا، اور فرمایا کہ دنیا کی صفائی جاتی رہی اور کدورت باقی رہ گئی۔ پس آج ہر مسلمان کے لئے موت ایک تحفہ ہے۔

امام موصوف کی تحقیق کی رو سے لفظ صوفی ۲۰۰ھ کے کچھ پہلے مشہور ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جس لقب سے اس زمانہ کے افاضل یاد کیے جاتے تھے وہ صحابہ تھا کسی دوسرے لقب کی انہیں ضرورت نہ تھی، کیونکہ صحابیت سے بہتر کوئی فضیلت ہی نہ تھی۔ ثانی کے جن بزرگوں نے صحابۂ کرامؓ کی صحبت اختیار کی وہ اپنے زمانے میں تابعین کہلائے اور تابعین کے فیض یافتہ

حضرات اپنے زمانہ میں "اتباعِ تابعین" کے ممتاز لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ اس کے بعد زمانہ کا رنگ بدلا اور لوگوں کے احوال و مراتب میں نمایاں فرق پیدا ہونے لگا، جس کی پیشین گوئی اس حدیث میں کی گئی ہے۔ ظهور الآیات بعد المائتین۔ جن خوش بختوں کی توجہ دینی امور کی جانب زیادہ تھی ان کو زہاد، و عُبّاد کے ناموں سے یاد کیا گیا، کچھ ہی عرصہ بعد بدعات کا ظہور ہونے لگا۔ اور ہر فریق نے اپنے زہد کا دعویٰ شروع کیا، زمانہ کا یہ رنگ دیکھ کر خواصِ اہلِ سنت نے جو اپنے قلوب کو حق تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہونے دیتے تھے، اور اپنے نفوس کو خشیتِ الٰہی سے مغلوب رکھتے تھے۔ ابنائے زمانہ سے علیحدگی اختیار کرلی اور انہی کو "صوفیہ" کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ ان ہی حالات کو پیش نظر رکھ کر شیخ ابوعلی رودباریؒ نے فرمایا ہے۔

الصوفی من لبس الصوف علی الصفا
واذاق الھوی طعم الجفا و لزم
طریق المصطفیٰ وکانت الدنیا
علی القفا

صوفی وہ ہے جو صفائی قلب کے ساتھ صوف پوشی اختیار کرتا ہے، ہوائے نفسانی کو سختی کا مزہ چکھاتا ہے شرع مصطفوی کو لازم کرلیتا ہے، اور دنیا کو پس پشت ڈال دیتا ہے

ان ہی بزرگ کے یہ اشعار ہیں:-

تَنازَعَ النّاسُ فی الصُّوفِیِّ واختلفوا
قِدَماً وَظَنّوہ مُشتَقّاً مِنَ الصُّوفِ
ولستُ انحل ھذا الاسم غَیْرَ فتی
صافی فصُوفی الی اَن لُقِّبَ الصوفی

لفظ صوفی کی تحقیق میں لوگ زمانہ قدیم سے جھگڑتے آئے ہیں اور اس کو صوف سے مشتق سمجھتے ہیں صوفی کا نام اس شخص کے سوا کسی اور کیلئے پسند نہیں کرتا جو صاف باطن و صاف معاملہ ہو یہاں تک کہ اس کا لقب صوفی ہو جائے

(شیخ علی رودباری: در "تائید الحقیقۃ العلیا" از جلال الدین سیوطی)

خواجہ بندہ نوازؒ نے امام قشیریؒ کے مذکورہ بالا بیان کی شرح کرتے ہوئے ان سے اتفاق فرمایا ہے کہ صوفیہ وہ ہیں جنہوں نے جزئی و کلی امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی جن کے باطن مستغرق بحق تھے، اور جو "از ہمہ صاف تر و پاک تر" تھے۔

(شرح رسالہ قشیریہ صفحہ ۵۶)

۲۔ وجہ تخلیقِ عالم

حضرت خواجہؒ اپنی بے نظیر تصنیف "اسرار الاسرار" سمر چہل و ہفتم ۱۵۸ میں وجہ تخلیق عالم کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"داؤد صلوٰۃ اللہ علیہ از حضرت تعالیٰ پرسید "یارب لماذا خلقت الخلق" اے پروردگار من چہ حکمت بود و چہ سر بود و چہ مصلحت بود کہ خلق را آفریدی؟ جواب شنید: "کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف" گنجے نہانی بودم دوست داشتم کہ مرا بشناسد" خود را گنج خواند یعنی ذات ام با تنوع صفات باختلاف اعتبارات، جمال من دارم، جلال من دارم، قہاری من آید، قدرت مرا، علم مرا، سمع مرا، بصر مرا، الی باقی صفات لا یدری حصرہا۔ بدیں اعتبار گنج نام نہاد، ایں ہمہ در من بالقوہ بود، خواستم از حجرۂ قوت بصحرائے فعل آید، ہم چو خواستن محبے محبوب خود را، بنا بریں مصلحت و بنا بریں حکمت خلق را آفریدم، انواع ذوات را مخلوق کردم، ہر ذاتے مظہر صفتے باشد، شمس را آفریدم، قمر را آفریدم، زہرہ و مشتری و عطارد و زحل و مریخ کذلک الباقیات، ہر یکے را مظہر صفتے کردم کذلک الجبال و الاشجار و الدوابیات ... و علی ہذا القیاس من کل الموجودات، چندیں وجودات پیدا کردہ ام و ہر یکے را مظہر صفتے ساختم، ایں ہمہ شد آں کس می بایست کہ مظاہر را بعین اسیان بحق الظہور و العیان شناسا باشد.. فلہذہ المصلحت و لہذہ الحکمت خمرت طینۃ آدم بیدی اربعین صباحا فیکون خلیفۃ فی ارضی و خلاصۃ فی اسمائی و یجب ان تکون تلک الصورۃ مجموعۃ للمظاہر کلہا و مجمعۃ اصناف الوجودات و انواع الکائنات بجملتہا لیعرفنی فی نفسہ و یدرکنی فی شخصہ ....

فلذا خلقت الخلق فاعرف. خلق را آفریدم، تا خود را شناسم... قبل وجود اشیاء، بہ اشیا علیم بود خبیر گشت بہ اشیا، بعد وجود الاشیا، خود را خود نتواند دید آئینہ باید ساخت، تا عکس تو دراں آئینہ پدید آید، و تو شخص خود را مشاہدہ کن، جمال تو در و نظارہ شود۔ ؎

یار ب بستاں د او من از جان سکندر
کو آئینہ ساخت کہ در و ے نگری تو!

اپنی اس تقریر کا خلاصہ خود پیش فرماتے ہیں ۔

" حاصل کلام چہ آمد ؟ اصل خلقت ، راس حکمت ہمیں محبت و معرفت آمدہ" (ایضاً ۱۶۱)

حضرت خواجہؒ نے اوپر کے طویل اقتباس میں جس حدیث قدسی کی تصریح فرادی وہ حدیث ہے جس کو امام غزالیؒ اور حضرت محی الدین عربیؒ نے بھی بیان فرمایا ہے ، اور اہل کشف اس کی صحت کے قائل ہیں ، اور وہ یہ ہے ۔ کُنتُ کنزاً مخفیاً فَاَحْبَبْتُ اَن اُعْرَفَ فَخلقت الخَلْقَ لِاُعْرَفَ ۔

اس حدیث کو حافظ سخاویؒ نے بعض الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ "مقاصد حسنہ" میں نقل کیا ہے ، اور علامہ محدث محمد بن ابراہیم نے فرمایا ہے کہ یہ صوفیہ سے مروی ہے ۔ جس شخص نے آیت ذیل پر تدبر کیا ہے ، اس کو اس کی صحت معنوی حاصل ہو سکتی ہے ۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا (پ ۲۸ ع ۱۸)

اور حضرت ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی حق تعالیٰ کے اس قول کے مطابق ہیں ۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (پ ۲۷ ع ۲) ای لیعرفون ۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تفسیر فرمائی ہے ۔

ذات گنج مخفی ہے ، باعتبار عدم معرفت وہ غیب الغیب ہے ، اسی ذات نے اپنے جمال و کمال کو خارج میں ملاحظہ فرمانے کے لئے باطن سے ظاہر میں اعیان ثابتہ یا صور علمیہ کے آئینوں کو آراستہ کیا ، جو صورتیں کہ باطن میں (مرتبہ واحدیت میں) ثابت تھیں جس کی وہ خود علماً شاہد تھی خارج میں یا مرتبۂ عین میں ان کو اپنے ظہور سے نمودار کیا ، اور عیناً بھی خود اپنی آپ شاہد ہوئی ۔

کسی عارف نے حدیث قدسی کی ان پاکیزہ اشعار میں توضیح کی ہے ۔

از محبت گشت ظاہر ہر چہ ہست — وز محبت می نماید نیست ہست
ناز معشوقی تقاضائے نیاز — کرد پیدا تا نماید جملہ راز

از نیاز ماست تا ناز و عیان　　　می کند اَحْبَبْتُ این معنی بیان
آنکہ معشوق ست از وجہ دگر　　　عاشقش می گو اگر داری خبر

۳۔ صوفی کی زندگی کا مقصود:۔

جب " اصل خلقت و راس حکمت محبت و معرفت " ہی قرار پائی ۔ اور جب " تمام شیوخ رضی اللہ عنہم بالتثبت دالرسوخ علی الاجتماع والاتفاق کہہ چکے ہیں کہ " اجل مطالب و اجل مقاصد محبت و معرفت خداوند " ہے (اسماء الاسرار ص۱۳۱) تو پھر سالک کی زندگی کا مقصود اپنے قلب کو عکس جمال محبوب کے حصول کے لئے آراستہ کرنا ہے جس کے لئے چار چیزیں شرط قرار دی گئی ہیں:

(۱) آئینۂ قلب کو حیوانی و نفسانی و شیطانی طبائع کے رنگ سے پاک و صاف کرنا،
(۲) محبوب کی ذات و صفات و کمالات کی معرفت حاصل کرنا ۔
(۳) آئینۂ قلب کو جمالِ محبوب کے مقابل رکھنا ۔
(۴) غیر محبوب کو قلب میں جگہ نہ دینا اور اس کی احاطت پر نظر رکھنا ۔ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا (پ ۵ ع ۱۵) ، اَلَآ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ پ ۲۵ ع ۱۔

۴۔ سلسلہ قادریہ:۔

سلسلہ قادریہ کے مشائخین کرام نے زیادہ زور آئینۂ قلب کو حیوانی و نفسانی و شیطانی زنگار سے صاف کرنے پر دیا ہے ۔ باطن کا تصفیہ و تصقیل ، الواثِ قوتِ بہیمیہ ۔ سبعیہ و شیطانیہ کا ازالہ ان کے پیش نظر رہا ہے ۔ وہ اس امر پر متفق ہیں کہ جو ہرِ روح عالمِ امر سے ہے ۔ اور اس میں یہ قابلیت پائی جاتی ہے کہ تجلیات ربانی کی شعاعیں اس میں منعکس ہوں ۔ لیکن اس انعکاس کے مانع یہی الواث و کدورات ہیں جس طرح کہ آئینہ کا زنگ صورت کے انطباع سے مانع ہوتا ہے ۔ جب آئینہ صاف ہو جاتا ہے تو خود بخود صورتِ مقابل آئینہ میں منعکس ہو جاتی ہے ، اسی طرح اگر ایک آئینہ کے مقابلہ میں دوسرا آئینہ رکھا جائے تو جو کچھ پہلے آئینہ میں ہوتا ہے ، دوسرے آئینہ میں آجاتا ہے ۔ یہ مثال ہے شیخ کے دل سے سالک

کے دل میں نسبت کے انعکاس کی اس مفہوم کو شیخ سعدیؒ نے اپنے مخلد الذکر شعر میں اس طرح ادا کیا ہے !

سعدی حجاب نیست تو آئینہ صاف دار
زنگار خوردہ کے بنماید جمال را !!

۱۱ سلسلہ نقشبندیہ ۱

سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ عظام کے منظور نظر " تصویر و تشکیل " ہے ۔ ان کا اس امر پہ اتفاق ہے کہ روح انسانی فی حد ذاتہ تمام صورتوں سے خالی ہوتی ہے ۔ اب اگر کوئی صورت روح کو اس حد تک پر کر دیتی ہے کہ دوسری صورتوں کی جگہ نہیں چھوڑتی تو پھر روح اسی صورت سے متکیف ہو جاتی ہے ۔ لہذا سالک کا کام ہے کہ جوہر روح میں صورت مطلوب کا تصور کرے ۔ اور ادراک و خیال و وہم کو اسی صورت کے مطالعہ میں معروف و متوجہ رکھے اور حواس ظاہرہ و باطنہ کو اپنے عمل سے روک دے ، تاکہ حواس ظاہری صورِ محسوسات کا القاء کر کے قوائے باطنی خصوصاً قوتِ وہمیہ و خیالیہ کو مشوش و پریشان نہ کریں ، اسی لئے انہوں نے ذکر جہر اور سماع کو ممنوع قرار دیا ہے ، کہ یہ سب " غائب بازی " ہیں اور مقصود تو " در خود دیدن " یعنی اپنے اندر ہی مشاہدہ کرنا اور پانا ہے ۔ اسی لئے خواجہ خوردؒ نے رسالہ نورِ وحدت میں فرمایا ہے ۔ " درویشی تصحیح خیال " ہے ! کسی نقشبندی شیخ کا شعر ہے ۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند
کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را

نقشبندیہ کا اس باب میں اس حدیث صحیح سے تمسک ہے ، جو مشکوٰۃ شریف میں مذکور ہے ۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہے ۔

يَا غُلَامُ اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ ـــــــ يَا غُلَامُ اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ

اے لڑکے حق تعالیٰ کی نگہداشت کر ، وہ تیری نگہداشت کرے گا ۔ اے لڑکے حق تعالیٰ کی نگہداشت کر ان کو اپنے روبرو ہی پائے گا ۔

خواجگان نقشبند متفق ہیں کہ اصل و بالذات یادداشت ہی ہے ، باقی فنا و بقا و عشق سب اسی

کے ضمن میں حاصل ہو جاتے ہیں ـــــــــــ!

(۱) سلسلہ چشتیہ، عشق و محبت ـــــــــــ:

پیران چشتیہ بہشتیہ قدس اللہ اسرارہم کے منظور نظر استیلائے محبت و شوق بجناب احدیت رہا ہے ۔ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے دل پر کسی کی محبت غالب و مستولی ہو جاتی ہے تو ہر جگہ اور ہر مقام پر یہی محبوب جلوہ افروز ہوتا ہے ۔ اور دم بدم اس کا شوق بڑھتا جاتا ہے۔ اس محبت کو پیدا کرنے بھڑکانے کے لئے ذکر جہر کا حکم دیتے ہیں، جو حرارت قلب کو پیدا کرتا ہے ۔ اور سماع کو چند شرائط سے مشروط فرما کر، کہ دائرۂ اباحت میں ۔ ہے سنا کرتے ہیں، اور اپنے مریدوں کو سننے کا حکم کرتے ہیں۔ عشاق مجازی مثلاً لیلیٰ و مجنوں کی حکایتیں سنتے ہیں اور ذوق اٹھاتے ہیں، اور عاشقان الٰہی کی محبت ۔ اور محبان صادق کا ذکر جنہوں نے حق تعالیٰ کی محبت میں مشقتیں اٹھائی ہیں اور رنج برداشت کئے ہیں لازم قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں کہ "افضل الاعمال الحب فی اللہ والبغض فی اللہ" جب حب فی اللہ و بغض فی اللہ افضل اعمال قرار دئے گئے ہیں، تو حب اللہ کا کیا مرتبہ ہوگا! فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے آنحضرت ؐ نے اس طریقہ کی تعلیم کے لئے امت کو دعا کا طریقہ بتایا ہے کہ ۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ اَحَبَّکَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُقَرِّبُنِیْ اِلَیْکَ ۔

دوسری جگہ حکم ہوا کہ اس طرح دعا کریں ۔ اللھم اجعل حبک احب الی من نفسی واھلی ومن الماء البارد الی العطشان ۔

حدیث قدسی میں آیا ہے کہ ومایزال عبدی یتقرب الیَّ بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ التی یبطش بھا و رجلہ التی یمشی بھا (الحدیث رواہ البخاری عن ابی ہریرہ)

آیت کریمہ : اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے ۔

ان النبی صلعم قال اذا احب اللہ عز وجل العبد قال لجبریل

یا جبریل انی احب فلانا فاحبہ، فیحبہ جبریل، ثم ینادی جبریل فی اهل السماء ان اللہ تعالیٰ قد احب فلانا فاحبّوہ فیحبہ اهل السماء ثم یضع لہ القبول فی الارض واذا ابغض اللہ عزوجل عبدا قال مالک لا احسبہ الا قال فی البغض مثل ذلک

(رواہ القشیری بلسندہ واصلہ فی صحیح البخاری فی بدء الخلق)

یعنی "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتے ہیں، تو جبریل سے کہتے ہیں کہ اے جبریل میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو، پس جبریل اس سے محبت کرتے ہیں، پھر جبریل آسمان والوں میں منادی کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں، تم بھی اس سے محبت کرو، پھر آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر وہ بندہ زمین پر مقبول ہو جاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ الخ

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا کہ مَنْ احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ ومن کرہ لقاء اللہ کرہ لقاءہٗ (الحدیث متفق علیہ من حدیث عبادۃ بن الصامت) یعنی جو حق تعالیٰ کے لقاء کو محبوب رکھتا ہے حق تعالیٰ بھی اس کے لقاء کو محبوب رکھتے ہیں، اور جو مکروہ رکھتا ہے، حق تعالیٰ بھی مکروہ رکھتے ہیں۔

قرآن کریم میں مومن کی صفت حق تعالیٰ کی شدید محبت قرار دی گئی ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ؕ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے۔ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗٓ ۔ یعنی "پھر ایسی قوم پیدا کی جائے گی جو حق تعالیٰ سے محبت کرتی ہے اور حق تعالیٰ اس سے محبت کرتے ہیں"

ان آیات واحادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ محبت وہ حالت شریف ہے کہ بندہ میں اسکے پائے جانے کی شہادت خود حق تعالیٰ نے دی ہے، اور بندے کے ساتھ خود اپنی محبت کی خبر بھی دی ہے۔ لہٰذا بندہ حق تعالیٰ کی محبت سے موصوف ہے۔ اور حق تعالیٰ اس امر سے موصوف ہیں کہ بندہ سے محبت کریں، اس سے انکار نصوص قطعیہ کا انکار ہے۔ محبت میں ایک گونہ جنسیت کی شرط فضول ہے، نصوص قطعیہ اس کی تائید نہیں کرتے۔

خواجگانِ چشت کی روش بس یہی رہی ہے کہ محبت الٰہی کو ماسوا پر غالب کرتے ہیں

خواہ ذکر سے ہو یا فکر سے، یا نوافل سے یا سماعِ مباح سے یا صحبتِ پیر سے، بہر طور دردِ محبت کا حصول انکے پیشِ نظر رہتا ہے۔ چنانچہ ان ہی میں سے کسی کا شعر ہے۔

دررا در ہندی گویند پیر   می تواں بے درد را پیر گفت

خواجہ فریدالدین عطار فرماتے ہیں:

کفر کافر را و دین دیندار را   ذرۂ دردت دلِ عطار را

درد را باش اے برادر درد را   زانکہ دردِ تو ہمہ درمانِ تست

حضرت شاہ حسام الحق مانک پوریؒ کے ملفوظات میں یہ اشعار درج ہیں:

در مسلخ عشق جز نکو را نکشند   لاغر صفتان زشت خو را نکشند

گر عاشقِ صادقی ز کشتن مگریز   مردار بود ہر آنکہ او را نکشند

حضرات چشتیہ بہشتیہ کے مکاتیب و ملفوظات عشق و محبت و درد و شوق سے مملو ہیں، جیسا کہ مولانا احمد جامؒ نے فرمایا ہے:

عاشقانِ خاندانِ چشت را   از قدم تا سر نشانے دیگر است

شاہ نیاز احمد بریلویؒ نے خوب کہا ہے:

سرزمین چشت کی آب و ہوا کچھ اور ہے   دین و دنیا سے نرالا اور ہی کچھ طور ہے

ہمارے حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کا مسلک سراسر مسلک عشق ہے۔ چنانچہ "اسمار الاسرار" میں فرماتے ہیں،

"حاصل کلام اصل خلقت از اں حکمت ہمیں محبت و معرفت آمدہ! نشنیدۂ گر عشق نبودے فلک نگردیدے۔ و گر عشق نبودے سبزہ نرُستیدے، و گر عشق نبودے حیوان نزائیدے گر عشق نبودے انسان بعہد بلاغت نرسیدے، گر عشق نبودے خدا را کسے نپرستیدے گر عشق نبودے جمال اللہ کسے ندیدے (ص ۱۶۱)

آپ کی رائے میں راہِ سلوک و طلبِ حق محب و عاشق کے سوا کوئی دوسرا کما حقہ طے نہیں کرسکتا چنانچہ فرماتے ہیں:-

"راہ سلوک و طلب حق را کسے بحقہ بسر نبرد جز محب و عاشق باقی تشتت و تفرق دارند، جاہِ ایشاں را در غرقابِ چاہ وہم اندازد، و مالِ ایشاں را ہموارہ در وبالِ ملال

دارد، نفس ایشاں را در رنگ آمیزی و نقش بندی پردازد . . . و شیطان را مبالغہ نباشد جز بتزئین بدا . و تحسین . آں آشنائے کہ ذکر افتاد خدا و تعالیٰ سبحانہ دور باش یاس برسرش زدہ است و او را از محبان و طالبان بدور افگندہ است اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ داو خائب و خاسر از ایشاں بدور افتادہ است و او را راہ ردی بدیشاں نماندہ است فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۔ در قبۂ امان و عصمت قرار گرفتہ، . . . .

در دل چو شراب عشق او میریزی — باید چو خمار گیرد ت نگریزی
با وصل سنت اگر نشستے باید — با ہر چہ نشستہ انساں برخیزی

. . . آں را کہ خدائے بخود خواند و از ہمہ راہہا او را گم کرد و از آنِ خود کرد، تو چگونہ توانی او را براہ خود آوردن؟ نقد دقت او ایں است ؎

ففی قلب المحب نار ھوی — احر نار الجحیم ابردھا[1]

۴ عشق یا محبت کیا ہے؟ :

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ محبت کیا ہے؟ کیا اسکی ماہیت بیان کی جاسکتی ہے ۔ اسکے جواب میں ہمیں مشائخین کے اقوال پر اک نظر ڈالنی چاہیئے، کوئی کہتا ہے کہ "محبت میل دائم ست بقلب ہائم"[2]، کوئی کہتا ہے کہ "محبت ایثار محبوب است بر جمیع مصحوب"[3]، کوئی کہتا ہے، کہ یہ "موافقت حبیب است در مشہد و مغیب"۔ کسی نے کہا کہ "محو محب است بصفات او و اثبات محبوب بذات او"[4]۔ کسی کا قول ہے کہ "محبت مواطات قلب است از برائے مرادات رب"[5] کسی نے کہا "خوف ترک حرمت است با اقامت خدمت"[6]۔ ابو یزید بسطامی نے کہا "استقلال کثیر از نفس و استکثار قلیل از حبیب"[7]۔ ع : الطل من الحبیب وابل[8]۔ سہل عبد اللہ تستری نے کہا کہ "محبت معانقۂ طاعت ست با مباینت مخالفت"[9]، جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ "محبت دخول صفات محبوب است بر بدل از صفات محب"[10]

---

[1] سمر سی و نہم صفحہ ۱۳۵ و ۱۳۶ [2] حیران و پریشان دلشتہ [3] المحبۃ ایثار المحبوب علی جمیع المصحوب [4] محو المحب بصفاتہ و اثبات المحبوب بذاتہ [5] مواطات القلب لمرادات الرب [6] خوف ترک الحرمۃ مع اقامۃ الخدمۃ [7] استقلال الکثیر من نفسک و استکثار القلیل من حبیبک [8] محبوب کی طرف سے ہلکا مینھ بھی عاشق کے لیے بڑی بڑی بوندوں کا مینھ ہے [9] الحب معانقۃ الطاعۃ و مباینۃ المخالفۃ [10] دخول صفات المحبوب علی البدل من صفات المحب اس میں اشارہ ہے ذکر محبوب کے قلب پر چھا جانے کا ہے یہاں تک کہ محب کے دل پر صفات محبوب کا ذکر غالب ہوجائے، اور صفات و احساس نفس سے بالکلیہ غفلت پیدا ہوجائے ۔

پھر جنید محبت کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔ "محبت افراط میل است بلا نیل وتشویشے است در قلب کہ از محبوب بفقید یافتہ الیست کہ در فواد از مراد آید" ۔

اتانی ھواھا قبل ان اعرف الھوی　　فصادف قلبا خالیا فتمکنا

یعنی اس کی (محبوب کی) محبت میرے دل میں آئی قبل اس کے کہ میں اس کو جانتا، اور قلب کو خالی پاکر وہ متمکن ہو گئی۔

کہا گیا ہے کہ محبت وہ بیہوشی ہے کہ اس کا گرفتار اس وقت تک ہوش میں نہیں آتا جب تک کہ وہ محبوب کو نہ دیکھ لے، اور جو بیہوشی کہ محبوب کے شہود سے حاصل ہوتی ہے، وہ بیان نہیں کی جاسکتی[1]

فاسکر القوم دور کاس　　وکان سکری من المدیر[1]

مست می بیدار گردد نیم شب　　مست ساقی روز محشر بامداد

کہا جاتا ہے کہ محبت مطالعہ جمال کے لئے میل باطن کا نام ہے۔ اگر یہ میل باطن مطالعہ جمال صفات کی طرف ہوتا ہے تو اس کو محبت عام کہتے ہیں، اور اگر میل روح جمال ذات کے مشاہدہ کی طرف ہوتا ہے تو وہ محبت خاص کہلاتی ہے۔ محبت عام میں خذ ما صفا ودع ما کدر ہے اور محبت خاص میں لا تبقی ولا تذر۔ جیسا کہ کمال نے اپنے سریلے نغموں میں اس کا اظہار کیا ہے:۔

در خلوت دوست جان نگنجد　　شادی و غم جہاں نہ نگنجد

چشمت گشتہ و لبت دہد جاں　　مرگ آید و در میاں نگنجد

اے خواجہ تو مرد خود فروشی　　رخت تو دریں دکان نگنجد

مارا چہ مجال در حریم ست　　سر نیز بر آستان نگنجد

یا دوست گزیں کمال یا جاں　　یک خانہ دو میہمان نگنجد

خواجگانِ چشت میں ہمارے خواجہ بندہ نوازؒ نے عشق ومحبت پر بہت کھل کر گفتگو کی ہے۔ آپ "من عرف ربہٗ طال لسانہٗ" کے مصداق ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حاصل محبت "سوختن" کے سوا کچھ نہیں

حاصل عشقش سہ سخن بیش نیست　　سوختم و سوختم و سوختم[2]

---

[1] قوم کو پیالے کے دور نے بیہوش کر دیا، لیکن میری بیہوشی پیالے کو دور دینے والے نے پیدا کر دی۔
[2] مکتوبات، مکتوب ۲۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ محبت "گرفتاری" ہے۔

محمد را ز حال او چہ پرسی　　گرفتارم گرفتارم گرفتار[1]

مکتوب ۲۵ میں محبت الٰہی کی اقسام کا ذکر کرتے ہیں۔

۵ محبت کی اقسام:

محبت تین قسم کی ہوتی ہے (۱) محبت عامہ اس معنی میں تمام علما تفسیر و احادیث و استاذان فقہ متفق ہیں کہ خدائے عزوجل کی محبت سے مراد اس کے احکام کی فرمانبرداری ہے۔ اسی مفہوم کو اوپر "موافقت حبیب در مشہد و مغیب" کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، چنانچہ رابعہ عدویہ کہتی ہیں:

تَعْصِی الْاِلٰہَ وَاَنْتَ تُظْہِرُ حُبَّہٗ	تو حق تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے پھر ان سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے
ھٰذَا الْعُمْرِیْ فِی الْفِعَالِ بَدِیْعٌ	میری جان کی قسم یہ عجیب حرکت ہے
لَوْ کَانَ حُبُّکَ صَادِقًا لَاَطَعْتَہٗ	اگر تو اپنی محبت میں سچا ہوتا تو ضرور اس کی اطاعت کرتا
اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ	اس لئے کہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کی ہمیشہ اطاعت کرتا ہے

دوسری قسم محبت خاصہ ہے، اس کے تین حصے ہیں۔ محبتِ افعال، محبت صفات اور محبتِ ذات۔

"محبت افعال" میں صانع کے افعال کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس میں یہ اندیشہ ہے کہ بندہ باقتضائے بشریت ان مصنوعات ہی کی محبت میں مبتلا ہو کر رہ جائے۔ عراقی نے اس پر خوب تنبیہ کی تھی:

جز نقش و نگار ہر چہ بینی　　از لوحِ ضمیر پاک بتراش
باشد کہ بہ بینی اے عراقی　　در نقشِ وجودِ خویش نقاش

دوسری "محبت صفات" ہے جتنے حسین و جمیل ہیں وہ سب جمالِ الٰہی سے اکتسابِ جمال کرتے ہیں، خود اللہ جل شانہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ اللّٰہ جمیل یحب الجمال۔

---

[1] مکتوب ۱۴۰

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ۔ یہ آیت اور وہ حدیث، دونوں محبتِ صفات کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ اسی زنجیر میں بہت سے مجذوب و سالک گرفتار ہو کر رہ گئے، اور قید سے خلاصی نصیب نہ ہوئی۔ ذات بحت جو اس پردہ کے پیچھے ہے اس کی طرف ان کی نظر نہ گئی اور جب ذات نے نعمتِ لطف و جمال اور صفت رحمت و کرم کی صورت میں جلوہ فرمایا ہے، ادھر نگاہ نہ اٹھی، بہت سے بڑے بڑے لوگوں کو اس میدان میں رہ جانا اور بہت سے راہ چلنے والوں کو یہیں گرفتارِ بلا ہونا پڑا ہے۔ ملحد و زندیق ہو گئے۔ اس گھاٹی سے جان بچا لینا سوائے پیر کی عنایات کے ممکن نہیں، محبتِ ذات اسی کی عنایت و توجہ سے حاصل ہوتی ہے۔

خواجہؒ کی تنقید :

یہاں حضرت خواجہؒ کا اشارہ تشبیہہ کے گرفتاروں کی طرف ہے جو تنزیہ کے قایل نہیں، جو حق تعالیٰ کو ان ہی صورتوں میں مشاہدہ کرتے ہیں، چنانچہ سید محمد اسماراالاسرارؔ میں فرماتے ہیں کہ "جمع از قوم منہم محی الدین ابن عربی والشیخ العراقی گفتہ اند کہ ورائے ایں صور و اشکال حق العرش المجید وجودے نیست واللہ تعالیٰ را کالکلی الطبیعی گویند، محمد حسینی بسیار جا فریاد کردہ است انہ وراء کل وراء، ایں ہمہ عین اوست نہ اوست۔

عقیدے کے اس صاف اظہار سے ہمارے خواجہؒ "ہمہ اوست" کے قائل نہیں، "ہمہ از اوست" کے قائل نظر آتے ہیں، لیکن شیخ اکبر کے متعلق یہ خیال کہ وہ تنزیہ کے قائل نہیں محل نظر ہے۔ ان کا مسلک تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ مشبہہ ہیں عین تنزیہ میں، یعنی بانزاہت خود بشباہتِ ہر شئی جلوہ نما ہیں۔ اور منزہ ہیں عین تشبیہہ میں، اسلئے کہ اعتبارات ہالک ہیں، عدم اضافی ہیں اور حق تعالیٰ ہی موجود ہیں کس چیز سے مشبہہ ہو سکتے ہیں، کُلُّ شَیْئٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ (پ ۲۰ ع ۱۱) شیخ نے اپنے اس عقیدے کو فصوص میں بڑی خوبی سے پیش کر دیا ہے۔

فان قلت بالتنزیہ کنت مقیدًا | وان قلت بالتشبیہ کنت محددًا
وان قلت بالامرین کنت مسددًا | وکنت اماما فی المعارف سیدًا

یعنی اگر تو تنزیہ محض کا قائل ہوگا تو حق تعالیٰ کو مقید کرنے والوں میں سے ہوگا (یعنی ذات غیبیہ

مقید ہو جائے گی، اور ہو الظاہر کا انکار لازم آئے گا، ہو الباطن کا اقرار بغیر ہو الظاہر کی شان کے اقرار کے ذات مطلق کی تقیید ہے، قید اطلاق ہے) اور اگر تو تشبیہ کا قائل ہو گا تو حق تعالے کے محدود کرنیوالوں سے ہو گا۔ (کیونکہ ہو الظاہر کا اقرار بغیر ہو الباطن کے ذات مطلق کا حد و حصر ہے، مرتبہ تنزیہ کا خارج کرنا ہے۔ اور حق تعالیٰ اس طرح محدود نہیں کئے جا سکتے) اگر تو دونوں امر کا قائل ہو گا (اور حق تعالیٰ کو منزہ عین تشبیہ میں اور مشبہ عین تنزیہ میں جانے) تو راہ راست کا چلنے والا اور معارف الٰہیہ کا امام و سردار ہو گا[1]

خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "محبت کی تیسری قسم محبت اخص الخواص ہے، وہ ذات مقدس و مطہر کی محبت ہے، ابرار و احرار کی زبان و فعل سے اس کا بیان نہیں ہو سکتا، یہاں بیان کا دروازہ بند، اور عقل کی زبان پر گرہ لگی ہوئی ہے۔ اللھم لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک (الٰہی ہم تیری تعریف کا احصاء نہیں کر سکتے، تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی ثنا فرمائی ہے) اسے ایک اشارہ سمجھو، اور العجز عن المعرفۃ معرفۃ جو ایک رمز ہے اس پر غور کرو، خبردار دھوکہ دینے والوں کے دھوکے میں نہ آنا اور ان کی پیروی کرنا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے، اور یہ نعمت نصیب نہ ہو سکے گی۔ ع ترا ممکن چنیں دولت تو از بے دولتی غافل

سالک کے دل میں جو ابتداء میں ایک بجھی ہوئی انگیٹھی کے مانند ہوتا ہے، حق تعالے کی محبت کا شعلہ بھڑکانے کے لئے فرماتے ہیں۔

تمام اہل تحقیق کے پاس یہ مسلم ہے کہ تمام کاموں میں سب سے بڑا کام اور تمام مقصدوں میں سب سے بڑا مقصد اللہ جل شانہ کی محبت ہے۔ محبت کے اسلوب کے اسباب موجبات طرح طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک عقلمند آدمی یہ سوچتا ہے کہ جب ہر شے فنا ہونے والی ہے تو پھر عمر کس کام میں صرف کرنا چاہئے۔ سب سے بہتر اور عمدہ شئے عبادت الٰہی ہے مگر اس کو بھی فنا ہے، آج ایک آدمی نماز پڑھتا ہے، بہترین طریقے پر تمام شرائط پوری طرح ادا کر کے پڑھتا ہے، کل قیامت کے روز اسے اس نیکی کا پھل ملے گا، لیکن نماز کہاں ہو گی؟ صرف دائرۂ خیال میں۔ جنت انعام و اکرام کی جگہ ہے، مشقت و تکلیف کی جگہ نہیں، وہاں یہ ریاضتیں

---

[1] دیکھو راقم کی کتاب قرآن و تصوف صلا [2] دیکھو فوائد فائدہ ۱۵ صفحہ ۴۴-۴۳۔

کہاں ؟ اور اگر کوئی پڑھے گا تو جہاں اور بہت سی لذیذ و مرغوب اشیاء وہاں ہونگی لذت لینے کے لئے وہاں ایک یہ شئی بھی ہوگی، یعنی ملذذات میں اس کا بھی شمار ہوگا، مگر ناز نہ ہوگی۔ جب اس کا یہ حال ہوگا تو اس جہاں کی اور اشیا یعنی مال و جاہ و قوت و عیش و تمتع کا کیا ذکر، مگر حق سبحانہٗ تعالیٰ کی محبت کو دوام ہے، وہ رہے گی، وہ ازلی و ابدی ہے، جب محبوب خود ازلی و ابدی ہے تو اس کی دوستی بھی ایسی ہی ہوئی۔ پس جس کو قلب سلیم عطا ہوا ہو وہ سب کو پس پشت ڈال کر صرف محبت الٰہی کی طرف رخ کرتا ہے۔ حکیم ثنائی فرماتے ہیں کہ "حکمت و ہمت کا بھی تقاضہ ہے کہ سوائے اللہ جل شانہ کے اور کسی طلب میں عمر عزیز صرف نہ کی جائے" ہاں ایسا ہی ہے، مگر میری بھی بات سن لو! طالب جس میں محبت کا مادہ بھر دیا گیا ہے اور عاشق جو سوز و گداز میں مبتلا ہے، وہ دوسری ہی چیز ہے، وہ ان سب کے پرے ہے اس کا باطن اس ذات قدسی و سبوحی کی طلب میں منہمک ہے، جو تمام موجودات کے پرے اور جملہ نسب و اضافات کے ورے ہے!

ناصح مشفق یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ، اے حیض والی کے بچے کہاں مٹی کا ڈھیر اور کہاں سب کا پالنہار! کہاں میلا کچیلا، اور کہاں تمام جہانوں کا پروردگار۔ اور اس کی باتیں تیری ہستی ہی کیا ہے، اپنی جگہ قائم رہ اور خبط بندگی کو درست کر، اور امید وار رہ کہ کل تجھے بھی نجات مل جائے گی۔ اور جنت میں رہنے کو جگہ ملے گی! یہ غریب بھی سوچتا ہے کہ ہاں یہ لوگ نصیحت ٹھیک کر رہے ہیں، محبت میں ایک گونہ جنون ہے، مجھ میں اور اس میں کیا نسبت؟ اس خبط سے دل کو باز رکھ اور بس نماز روزہ و تلاوت و تدبر میں مشغول رہ!

یہ سب سچ ہے، لیکن دل کی حالت اور ہی نظر آتی ہے، وہ اپنی جگہ گرفتار ہے اور نہ چھوٹتا ہے اور نہ چھوٹنا چاہتا ہے۔

دل را ز عشق چند ملامت کنم کہ ہیچ
این بت پرست کہنہ مسلماں نمی شود!

محمد حسینی اپنے دل میں کہتا ہے کیا خوب! یہ گرفتار بلا میں ہی تو ہوں۔

محمد از جمال او چہ پرسی　　گرفتارم گرفتارم گرفتار

ایک بھنور میں پڑا ہوا ہوں، نہ کوئی شے ہے کہ جسے ہاتھ سے پکڑوں، اور نہ اتنی سکت ہے کہ کہیں بھاگ جاؤں، بس ایک شیخ کا دامن ہے جو ہاتھ میں ہے، اس وقت تک یہی حال ہے قد دوہرا ہو گیا ہے مگر دل ویسا ہی والہ و شیفتہ ہے:

ندانم ہرچہ گردد آخر ایں کار!!
مرا دل والہ و معشوقہ خود کامؔ!!

حضرت خواجہؒ کے دل نے معترض کے اعتراض کی طرف توجہ نہیں کی اور اس کے اعتراض کو دلائل سے رفع نہیں کیا، لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، کہ آیات کریمہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ بندہ میں حق تعالیٰ کی محبت کے وجود کی شہادت خود حق تعالیٰ نے دی ہے، اور بندے کے ساتھ خود اپنی محبت کی خبر بھی دی ہے، حق سبحانہ موصوف بمحبت عبد ہیں، اور عبد موصوف بمحبت حق ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ! وَ یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ! اذا احب اللّٰہ عز وجل العبد قال لجبریل یا جبریل انی احب فلانا فاحبہٗ![2]

خواجہ صاحبؒ کا عشق پر ایک مستقل رسالہ ہے، گو مختصر یہ انکی مستقل تصنیف "مظاہر القدس" کا خلاصہ ہے، یہ آپ کے آخری زمانہ کی تصنیف معلوم ہوتی ہے، یہ لکھا ہی اسلئے گیا ہے کہ "محبان را محبت افزاید و دوستاں را راہِ دوستی نماید" کسی جگہ فرماتے ہیں کہ "بدانکہ اے عزیز در یں جہاں ہمیں سہ چیز است، ورائے ایں ہمہ ناچیز یعنی عشق و عاشق و معشوق ہمیں ظہور وہمیں بطون، ظاہر عبارت خلق و باطن عبارت خالق، ایں ہر دو مرتبہ در مرتبۂ ذات یکے باشد اگرچہ بیشمار ست...

جہانِ عشق است دیگر زرق سازی
ہمہ بازی است الا عشق بازی[3]

۶ مراتب محبت:

عشق کے پانچ مرتبے ہیں (۱) اول شریعت یعنی شنیدن صفتِ جمالِ محبوب تاکہ شوق

---

[1] فوائد فائدہ ۱۰ ص ۵ ۔ [2] دیکھو اوپر ص ۴۸ ۔ [3] وجود العاشقین ص ۲-۳

پدید آید (دوم) طریقت یعنی طلب کردن محبوب و رفتن در راہ محبوب (سوم) حقیقت یعنی حضور بود دن دائم در حسن محبوب (چہارم) معرفت یعنی محو کردن مراد خود را در مراد محبوب (پنجم) وحدت یعنی وجود فانی خود را شکستن ہم در ظاہر و ہم در باطن، موجود مطلق داشتن ہمیں محبوب را!

چو ایں پنج مرتبہ تمام شود کار با تمام رسد، آخر ہمیں عشق محبوب ماند و موج عاشق و معشوق در بحر عشق غرق شود، چنانچہ بزرگے فرمودہ العشق کا لطہر بین الدمین۔ یعنی وجود میان دو عشق است چنانچہ پاکی عورت میان دو خون است یعنی اول ہم عشق بود و آخر ہم عشق باشد، زیراکہ ہر وجود دیکہ ہست بیرون از عشق نشدہ است، بغیر از عشق نتواند ماندن پس اول و آخر ظاہر و باطن ہمیں عشق است الوجود بین العشقین کالطہر بین الدمین۔

چیست آدم چیست حوا عشق بس!
گر چہ آید صد ہزاراں پیش و پس[1]!

گویا سالک، سارا سلوک شریعت و طریقت، حقیقت و معرفت و وحدت عشق ہی کے قدموں سے طے ہوتا ہے، عشق کے قدم درمیان نہ ہوں تو سالک اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتا، ان مراتب کی توضیح ایک مثال سے فرماتے ہیں اور عجیب نکات معرفت پیش فرماتے ہیں:

بدانکہ اے عزیز ایں عشق مانند تخم است و او را درختے است کہ آنرا وجود گویند و قالب نامند و تن خوانند، و ایں درخت در دن و بیروں گرفتہ!

ایں درخت را پنج بیخ است۔ یکے عقل، دوم وہم، سوم روح، چہارم علم، پنجم جان و ایں ہر پنج را حقیقت گویند و ازیں پنج بیخ پنج شاخ ظاہر شدہ یعنی از عقل بینائی، و از وہم شنوائی، و از روح بویائی، و از علم گویائی و از تن توانائی

و ازیں پنج شاخ پنج برگ بر آمدہ:۔ یعنی از بینائی حرص و از شنوائی کینہ و از بویائی حسد و از گویائی غضب و از توانائی کبر، و ایں پنج بمعنی نفس است و آں پنج بمعنی دل است، و ایں ہر دو در مرتبۂ ذات یک اند و ایں را شریعت گویند، چنانچہ بزرگے فرمودہ

نفس زر وح و عقل و دل جملہ یکے ست
مرد معنی را دریں جا کے شکے ست؟

---

[1] وجود العاشقین صفحہ ۳-۴

چوں بیخ با شاخ وشاخ با برگ شنیدی و دریافتی اکنوں گل با میوہ، و میوہ با تخم با ہوش دل بشنو دریاب۔

بدانکہ اے عزیز ایں درخت را گلہا است، یعنی طاعت و زہد و تلاوت و قناعت و سخاوت، و ایں بیخ را در معنی طریقت گویند، و دریں گلہا میوہا است یعنی شفقت و محبت و رحمت و برکت و ہمت و ایں بیخ در معنی عشق یکے باشد کہ او را معرفت گویند، و در میوہ تخم است کہ آں را وحدت گویند، زیراکہ ہموں تخم اول است کہ آں را عشق خوانند! العشق ہو اللہ! کہ از وہمہ ظاہر شدہ، بلکہ ہموں است کہ بدیں خود را جلوہ دادہ است دائم و قائم است، چوں بیخ با شاخ و شاخ با برگ و برگ با گل و گل با میوہ و میوہ با تخم یعنی شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت و وحدت[1]

انجام مسلک عشق: وحدت الوجود

ان تفصیلات کو بیان فرما کر عشق کے مسلک کا انجام وحدت الوجود قرار دیتے ہیں:

" اکنوں با ہوش بشنو دریاب کہ نہاد ایں درخت در فنا است کہ آں را بقا گویند و وجہ اللہ خوانند و ذات اللہ نامند، کما قال اللہ تعالیٰ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ، و ایں فنا بمعنی بقا است، و ایں درخت درون و بروں گرفتہ، و ظاہر و باطن پیوستہ بلکہ عین درخت شدہ و یکے گشتہ و تماندہ! اکنوں بہ بیں کہ جملہ ایں درخت بقا است کہ آں را عشق گویند کہ ایں درخت عشق لاحد و لا نہایت، لا مثل و لا غایت خود بخود شکل و صورت صد ہزاراں و رنگہائے بے شمار دارد، وحدہ لا شریک لہ۔ و ایں جملہ چوں شنیدی و دریافتی، اکنوں کمال آں با ہوش بشنو و دریاب ؎

معشوق و عشق و عاشق ہر سہ یکے ست اینجا   تو خود بخود نگنجی ہجراں چہ کار دارد!

---

[1] وجود العاشقین صہ ۲۴-۲۵

بدانکہ اے عزیز این درخت ہمیں وجودہستی تو، و شکل این درخت ہمیں افعال
و اوصاف تو، کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام ان اللہ خلق آدم علی صورتہ
ای علی صورۃ الرحمٰن ! اکنوں بہ بیں تو کہ عین لقائی بلکہ عین عشقی و عین مطلق و
عین مقیدی، جز تو کسے نیست، فی الجملہ توئی کہ خود را بخود گزاشتی و دوی و جدائی نیست

وجودے نہ دارد کسے جز خدا ہمان ست باشد ہمیشہ بجا
تماشائے خود را بخود می نمود ہما عاشق و عشق و معشوق بود

چوں نفس خود را چنیں شناختی عین بقا گشتی، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من عرف
نفسہا لعجز والفناء فقد عرف ربہ بالقدرۃ والبقاء، چوں نفس خود را فنا
شناختی بقا یافتی، چوں فانی فی اللہ شدی باقی باللہ گشتی، چنانچہ بزرگے فرمودہ

ہر چند کہ پر دردی کے محرم ما گردی
فانی شو فانی شو تا محرم ما گردی

چنانچہ آوردہ اند در دلِ درویشِ اہل فنا ندا شد جرّد جرّد، یعنی مجرد شو،
مجرد شو، ہمہ موے اندام او ریختہ شد! زہے مقام حیرت درویش کہ در حیرت ماندہ
چنانچہ در خبر است الحادث اذا قورن بالقدیم ما بقی لہ اثر، یعنی نمک در آب انداز ند
جملہ آب شود، اثر نمک نماند، اکنوں تو نمانی عشق ماند و تو ندانی عشق داند۔

دریائے کہن چو بر زند موجے
موجش خوانند در حقیقت دریاست[1]

عشق کی اس توحیدی کیفیت کو جو خواجہ صاحبؒ نے اس خوبی سے بیش کیا ہے
صوفیاء کرام نے "فناء" "نسیان ما سوا اللہ" "اقبال بجناب اقدس خداوندی" "والاعراض
من دون اللہ" "یا فنائے قلب" سے ہمیشہ تعبیر کیا ہے۔

سلطانِ عشق کے زیر اثر جب قلب اس کیفیت سے مکیّف ہو جاتا ہے، تو نقشبندیہ
سلوک میں اس حالت کو "ولایت صغریٰ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس قلبی کیفیت میں

---

[1] وجود العاشقین صفحہ ۱۰

اہل اللہ نہ غیرِ حق کو دیکھتے ہیں نہ جانتے نہ پہچانتے ہیں، ان کے دیدہ و دانش میں حق ہی سما جاتا ہے۔ وہ حق ہی کو دیکھتے ہیں، حق ہی کو جانتے ہیں، اور حق ہی کو پہچانتے ہیں، اسی کیفیت میں انکی زبان سے نکلتا ہے۔

دیدہ عنیرِ ترا نمی بیند ۔۔۔ یک قسم، صد قسم، ہزار قسم

دیدہ بکشا و جمال یار بیں ۔۔۔ ہر طرف ہر سو رخِ دلدار بیں

ہر چہ آید در نظر از خیر و شر ۔۔۔ جملہ ذاتِ حق بود اے بیخبر
اوست در ارض و سما و لامکاں ۔۔۔ اوست در ہر ذرہ پیدا و نہاں
اوست پیدا و نہاں و آشکار ۔۔۔ جلوہ گر دست در ہر شی نگار

ہر لحظہ کہ در شوقِ جمالِ تو شدم غرق ۔۔۔ جز روئے تو پیشِ نظرم جلوہ گری نیست
در صومعۂ زاہد و در خلوتِ صوفی ۔۔۔ جز گوشۂ ابروئے تو محرابِ دعا نیست

محبوبِ حقیقی کو جو پردہ غیب الغیب میں مستور و مسرور تھا، سمع سے بصر اور گوش سے آغوش میں لایا جاتا ہے۔ غلبۂ احوال کی وجہ سے غیریت کو عینیت میں بدل دیا جاتا ہے، اور "بہ یطعم و بہ یشرب و بہ یتکلم و بہ یمشی" کے زیور سے آراستہ ہو کر ایمانِ شہودی دگانِ وجودی سے اہل اللہ متلذذ و مسرور ہوتے ہیں، اور اسی کیفیت کے سکر سے ہمیشہ معمور رہتے ہیں، یہ بہترین امت ہیں، مقبولانِ حق ہیں، دنیا ان کا کے نفسِ نفیس سے قائم ہے۔ اور وہ صلوٰۃ دائمی میں دائم ہیں، ان ہی کی شان میں خواجہ حافظؒ نے کہا تھا۔

روضۂ خلد بریں خلوتِ درویشان است ۔۔۔ مایۂ محتشمی خدمتِ درویشان ست
قصرِ فردوس کہ رضوانش بدربانی رفت ۔۔۔ منظرِ از چمن نزہتِ درویشان ست

آنکہ پیشش بنہد تاج تکبر خورشید | کبریائی ست کہ در حشمتِ درویشان ست
دولتے راکہ نباشد غم از آسیبِ زوال | بے تکلف بشنو کاں دولت درویشان ست

ان کے ہی متعلق ہیں خبر دی گئی ہے ۔

ھم قوم لا یشقی جلیسھم ولا یحرم انیسھم ولا یخیب مسیھم ۔ وھم جلساء اللّٰہ وھم اذا رؤوا ذکر اللّٰہ وھم من عرفھم وجد اللّٰہ ! لفظھم دواء وکلامھم شفاء وصحبتھم ضیاء وبہاءٌ من رای ظاھرھم خاب و خسر ومن رای باطنھم نجا وافلح

یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کا ہم نشیں بد بخت نہیں کہا جاتا، اور ان سے انس رکھنے والا بے نصیب نہیں ہوتا، اور جس کو انہوں نے چھو لیا ناکام نہیں ہوتا، وہ اللہ کے ہم نشین ہیں، جس وقت دیکھے جاتے ہیں اللہ یاد آتا ہے، جس شخص نے ان کو پہچان لیا، اس نے اللہ کو پا لیا۔ انکی نظر دوا ہے، ان کا کلام شفا، ان کی صحبت روشنی اور حسن ہے، جس نے ان کے ظاہر کو دیکھا وہ ناکام ہوا، اور نقصان میں رہا، اور جس نے انکے باطن کو دیکھا اس نے نجات پائی اور کامیاب رہا۔

۸۔ سلوک الی اللہ میں عشق کے فوائد اور ان کی علامات :

حضرت خواجہؒ کے سلوک میں عشق و محبت کی اہمیت پر اتنی تفصیل پڑھنے کے بعد تم سلوک میں عشق کے فوائد و علامات اچھی طرح سمجھ گئے ہونگے ہم یہاں پر ان علامات کا تعین ضروری سمجھتے ہیں ۔

(۱) محب یا عاشق کے دل میں محبوب کی محبت کے سوا دنیا اور آخرت کی محبت باقی نہیں رہتی، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک دل میں دو محبت جمع ہوں ۔

ع یک خانہ دو مہماں نگنجد ۔

(۲) ہاں وہ وسائلِ وصولِ محبوب کو دوست رکھتا ہے ۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔ اسی لئے حبِ خدا کی علامت حبِ قرآن، حبِ رسول، اور ہر اس شئی کی جو اللہ و رسولؐ کی طرف منسوب ہو محبت ہے، اسی اصول کی بنا پر مجنوں نے

کہا تھا:

ازل لال لیلیٰ نی ھواھا[1]
واحتمل الاصاغر والکبارا

مشہور کہاوت ہے کہ من یحب انسانا یحب کلب محلتہ جب کوئی شخص کسی کو دوست رکھتا ہے تو اس کے محلے کے کتے کو بھی چاہتا ہے۔ مجنوں کا یہ واقعہ اسی صداقت کو پیش کرتا ہے۔

بوالفضولی گفت اے مجنونِ خام	ایں چہ شید ست آنکہ می آری مدام
پوز و سگ را ہم پلیدی می خورد	مقعدِ خود را بلب می استرد
عیبہائے سگ بسے بر دے شمرد	عیب داں از عیب او بوئے نبرد
گفت مجنوں تو ہمہ نقشی و تن!!	اندر آ بنگر بشبے از چشم من
کیں طلسم بستہ مولیٰ ست ایں	پاسبان کوچہ لیلیٰ ست ایں

غرض محبت جب ترقی کر جاتی ہے تو محبوب سے تجاوز کر کے ہر اس شئے سے جو محیط بالمحبوب ہے، اور متعلق باسباب محبوب ہے، ہو جاتی ہے اس کو شرک فی الحب نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ اگر کوئی شخص کسی محبوب کے پیغام بر کو یا اس کے پیغام کو دوست رکھتا ہے اسلئے کہ وہ اسی کا پیام بر اور اسی کا پیام ہے، تو اس کی محبت متجاوز الی غیر محبوب نہیں ہوتی، بلکہ اس کے کمالِ محبت پر دلیل ہے۔ اسی لئے جب کسی کے دل پر اللہ کی محبت غالب آجاتی ہے، تو وہ ساری خلق اللہ کو دوست رکھتا ہے، اسلئے کہ وہ اللہ کی مخلوق ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ قرآن و رسولؐ و صلحا کو دوست نہ رکھے، اسی لئے فرمایا گیا، اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ! اسی اساس پر سہل بن عبداللہ تستریؒ کا یہ قول سمجھ میں آتا ہے "علامت حب خدا کی حب قرآن ہے، علامت حب خدا و قرآن کی حب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، علامت حب نبیؐ کی حب سنت ہے اور علامت حب سنت کی حب آخرت ہے، اور علامت حب آخرت کی بغضِ دنیا ہے، اور علامت

---

[1] لیلیٰ کی محبت میں لیلیٰ کے دوست و احباب کے ساتھ نرمی و مہربانی سے پیش آتا ہوں، اور چھوٹوں اور بڑوں کو برداشت کر لیتا ہوں ملہ استری کاری۔ مکر و فریب ۱۲

بغضِ دنیا کی یہ ہے کہ دنیا سے نہ لے مگر بقدرِ زاد، وبلغۃ الی الاخرۃ"

(۳) محبوب کے ذکر پر فریفتہ اور مشغوف ہوتا ہے۔ جیسا کہ مشہور ہے من احب شیئاً اکثر ذکرہ۔

وحدثتنی یا سعد عنھا فزدتنی　　جنونا فزدنی من حدیثک یا سعد[1]

کسی وقت اس کا دل ذکرِ محبوب سے خالی نہیں ہوتا، اور نہ زبان اس کے ذکر سے سستی نہیں کرتی۔

در دو زبان و مونس جان ست نام یار　　یکدم نمی رود کہ مکرر نمی شود!

اور یہ ذکر اس حد تک بڑھ جاتا ہے کہ اس اثناء میں ملامت گر اس کو ملامت کرنے لگیں تو اس کو اس ملامت میں لذت ملتی ہے:۔

اجد الملامۃ فی ھواک لذیذۃ　　حبًا لذکرک فلیلمنی اللوم[2]

(۴) رضائے محبوب کے خلاف کوئی عمل نہیں کرتا، اور جملہ اوامر و نواہی میں اس کا فرماں بردار ہوتا ہے، اسی لئے جب ا دہم سے پوچھا گیا کہ محبت کیا شئی ہے؟ تو آپ نے جواب دیا۔ الموافقۃ فی جمیع الاحوال، یعنی تمام حالات میں محبوب کی رضا سے موافقت اور یہ شعر پڑھا۔

وَلَوْ قُلْتَ لِیْ مُتْ، مُتُّ سَمْعًا وَطَاعَۃً　　وقلت لداعی الموت اھلا و مرحبا[3]

(۵) وہ مانوس بخلوت و مناجات اللہ ہوتا ہے، تلاوتِ قرآن اور تہجد پر مواظبت کرتا ہے، سکونِ شب و صفائے وقت کو دوست رکھتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ "اقل درجات الحب تلذذ بخلوت الحبیب وتنعم بمناجات الحبیب ہے" قتادہؓ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ، اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ فرمایا، ھشت الیہ واستانست بہ، یعنی قلوب اللہ ہی کے ذکر و یاد سے خوش و خرم ہوتے ہیں، اور اسی سے مانوس ہو جاتے ہیں۔ یحییٰ بن معاذ نے

---

[1] اے سعد تو نے میرے محبوب کا ذکر کیا، اور میرے جنون کو بڑھا دیا، بس اے سعد! تو اپنے بیان میں زیادتی کئے جا! [2] تیری محبت میں ملامت کو میں لذیذ پاتا ہوں، تیرے ذکر کی محبت میں ملامت گروں کو ملامت کرنے دے۔ [3] اگر تو مجھ سے کہے کہ مر جا تو تیرے حکم کی تعمیل میں مر جاؤں گا، اور موت کے فرشتہ کو مرحبا کہوں گا۔

کہا تھا کہ "جس نے اللہ کو دوست رکھا وہ اپنی جان کا دشمن بنا یعنی نفس کا جو اس کو الٰہی سے باز رکھتا ہے۔

(۹) اس کو ماسوی اللہ کے فوت ہو جانے پر کوئی تاسف نہیں ہوتا، بلکہ سارا غم و تاسف اس ساعت کے فوت پر ہوتا ہے جو ذکر و طاعتِ رب سے خالی گذر گئی۔

بے غمِ عشقِ تو صد حیف زعمرے کہ گزشت   پیش ازیں کاش گرفتارِ غمت می بودم

اسلئے وہ غفلات میں رجوع بحق ہوتا ہے، اور توبہ و انابت سے کام لیتا ہے، اور حق تعالےٰ کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔ رب بای ذنب قطعت برّك عنی و ابعدتنی عن حضرتك وشغلتنی بنفسی و بمتابعة الشیطان؟

یعنی اے رب کس گناہ کی پاداش میں تونے اپنے احسان کو مجھ سے منقطع کر لیا اور اپنی بارگاہ سے دور پھینک دیا اور مجھے اپنے نفس میں مشغول اور شیطان کی فرماں برداری میں مصروف کر دیا۔ وللہ دَرّ من قال۔

لکل شی اذا فارقتہ عوض   ولیس للہ ان فارقتہ من عوض

یعنی ہر شئی کا جو تجھ سے چھوٹ گئی بدل اور عوض ہے، لیکن اگر تو خدا سے چھوٹ جائے تو اس کا کوئی عوض یا بدل نہیں۔

عاشق جانتا ہے کہ ہر مشکل ہر ابتلا، اور ہر ناکامی میں محبوب کا ساتھ ہونا اسکے لئے کافی ہے۔ کیا تم بھی حق تعالیٰ کو اپنے ساتھ پاکر، یا یہ جان کر کہ وہ ہمارے ساتھ ہیں سرور سکینت محسوس کرتے ہو؟ حافظ کے ہم نوا ہو کر کہتے ہو کہ:

یار با ماست چہ حاجت کہ زیادہ طلبم!
دولتِ صحبتِ آں مونسِ جاں ما را بس!

اگر معاذ اللہ ایسا نہیں تو حق تعالیٰ سے تمہاری محبت میں نقص ضرور ہے۔ تمہیں پھر زیادہ محبت کی دعا کرنی چاہیے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مَحْبُوْسَ مَحَبَّتِكَ وَ مَسْجُوْنَ عِشْقِكَ وَ مَفْقُوْدَ فِیْ حُبِّكَ وَ مَجْنُوْنَ لِقَائِكَ اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ عَاشِقًا وَ اَمِتْنِیْ عَاشِقًا وَ احْشُرْنِیْ مع العَاشِقِیْنَ یَا مَطْلُوْبَ الْعَاشِقِیْنَ۔ صَلَّی اللہُ تعالٰی

عَلیٰ خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحمّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

وصول الی اللہ کے طریقے:

ہمارے خواجہؒ کے سلوک میں عشق یا محبت کا مقام اور اس کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اب تمہیں ان طریقوں کو بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے جو آپ کے ہاں موصل الی اللہ ہیں، خواجگانِ چشت کے ہاں دوسرے تمام سلاسل کی طرح بالاتفاق والاجماع وصول الی اللہ کے تین ہی طریقے ہیں، (۱) ذکر (۲) فکر و مراقبہ (۳) رابطہ یا صحبتِ شیخ ۔

ہمارے خواجہؒ بھی ان ہی طریقوں سے سالک کی تربیت کرتے ہیں، اور وصول الی اللہ کی راہیں کھولتے ہیں، آپ کے طریقے کی خصوصیت عشق و انکسار، بذل و ایثار اتباعِ سنتِ جناب احمد مختار صلے اللہ علیہ وسلم ہے، جب سالک طلب حق میں مجاہدہ و ریاضت اختیار کرتا ہے، تو منزل مقصود تک پہونچ جاتا ہے۔ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا اور اگر راہ طلب میں مرجاتا ہے تو فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ کا مصداق ہوتا ہے، بہرحال طلب ضروری ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ، اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ، ارشادِ خداوندی ہے! اسی کو پیش نظر کرکے کسی عاشق نے کہا تھا۔

دست از طلب ندارم تا کارِ من برآید — یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

طالب آں ست کہ در راہ طلب جاں دہد — ایں نہ گوید کہ بمقصود رسم یا نہ رسم

ذکر:

ذکر کے فضائل قرآن مجید سے ثابت ہیں اور احادیث کثیرہ اس بارے میں موجود ہیں، ہم یہاں چند آیات و احادیث کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں، تاکہ معلوم ہو جائے

کہ صوفیائے کرام کا ذکر پر زور دینا کتنا صحیح ہے۔

(۱) قرآن مجید میں ذکر کی تاکید:

قال اللہ تعالیٰ واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون وقال اللہ تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیراً وسبحوہ بکرۃً واصیلاً۔ مجاہد نے ذکر کثیر کی تفسیر میں فرمایا ہے الذکر الکثیر ان لا ینساہ بحال، یعنی ذکر کثیر وہ ہے کہ کسی حال فراموش نہ ہو، یہ صوفیہ کی اصطلاح میں "ذکر دوام یا یادداشت کہلاتا ہے، ذکر کثیر کے حکم کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے، اور آپ آیۂ کریمہ فاذکروا اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبکم کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

لم یفرض اللہ علی عبادہ فریضۃ الا جعل لہا حدا معلوما ثم عذر اہلہا فی حال العذر غیر الذکر فان اللہ تعالیٰ لم یجعل لہا حداً انتہی الیہ ولم یعذر احداً فی ترکہ الا مغلوباً فی عقلہ وامرہ بذکرہ فی الاحوال کلہا۔

یعنی حق تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کوئی عبادت ایسی فرض نہیں کی کہ جس کی ایک حدِ معلوم مقرر نہ کر دی ہو، پھر اہلِ عذر کو حالتِ عذر میں اس سے معاف نہ فرمایا ہو، لیکن ذکر ہی ایک ایسی عبادت ہے کہ حق تعالیٰ نے اسکی کوئی حد مقرر نہیں کی اور کسی کو اس سے معاف نہیں فرمایا، اِلّا مغلوب العقل کے، اور ہر حال میں اپنے ذکر کا حکم دیا"

حق تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں، اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کی توضیح فرماتے ہیں۔ ای باللیل والنہار فی البر والبحر والسفر والحضر والغنی والفقر والمرض والصحۃ والسر والعلانیۃ۔

یعنی شب و روز خشکی و تری میں، سفر و حضر میں، غنیٰ و فقر میں، بیماری و صحت میں ظاہر یا پوشیدہ حالت میں ذکر کا حکم فرمایا۔

اس کے برعکس منافقین کی مذمت میں فرمایا وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا، وہ نہیں

کرتے ذکر اللہ کا مگر تھوڑا۔ ذکر کی اہمیت اس آیت سے ظاہر ہے۔ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ یعنی اللہ کا ذکر ہر شے سے بڑا ہے۔ حثّ علی الذکر کے لئے فرمایا گیا ہے: فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ (البقرہ ۱۸) یعنی تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کرتا ہوں۔ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرتا ہوں! ذاکرین و ذاکرات کے اجر و مغفرت کے لئے فرمایا گیا۔ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَہُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا (الاحزاب ۵)

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ کی تفسیر میں حسن فرماتے ہیں کہ حلاوت تمہیں تین چیزوں میں ڈھونڈھنی چاہئے، نماز، ذکر، اور قرآن پڑھنے میں۔ اگر ان میں تمہیں حلاوت نہ ملے تو جان لو کہ تم قید و بند میں ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں تین نہیں بلکہ ایک ہی ہیں۔ اور وہ ذکر ہے۔ کیونکہ نماز اور قرآن ذکر ہی پر مشتمل ہیں۔ بلکہ ذکر نام قرآن ہے۔ اور نماز سے مراد ذکر حق ہے۔

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے مطابق جو شخص زبان یا دل یا جوارح سے ذکر کرے گا، اور امور معاش میں مشغول رہے گا، وہ ذاکرین میں شمار ہوگا، گویا اس صورت میں سارے مسلمان، جو اوامر الٰہیہ کی تعمیل کرتے ہیں، اور منہیات سے باز رہتے ہیں وہ سب ذاکر ٹھہرے، اور شرع کے خلاف عمل کرنے والے فاسق اور بدعتی، غافل ٹھہرے گو وہ رات دن کسی ذکر و شغل میں مشغول ہوں۔

مقام ترہیب کی بھی دو ایک آیتیں سن لو۔ لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰہُمْ اَنْفُسَہُمْ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْفٰسِقُوْنَ (پ ۲۸ ع ۷)

یعنی تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے بھلا دیا اللہ کو اور اللہ نے انکو بھلا دیا کہ بھولنے اور بھلانے والے، فاسقوں میں ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ (پ ۱۵ ع ۵)

یعنی پیروی یا اطاعت مت کرو ان لوگوں کی جن لوگوں کے دلوں نے ہمیں بھلا دیا۔ ذکر کے حکم کے سلسلہ میں ہم آخری آیت پیش کرتے ہیں جو بہت غور کے قابل ہے، حق تعالیٰ

نیک بندوں کی تعریف میں فرماتے ہیں ۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (پ ۱۸ ع ۱۶)

یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنہیں نہ تجارت نہ خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے باز رکھتی ہے ۔

خواجہ بہاء الدین نقشبندیؒ نے اسی آیت سے ذکر قلبی دائمی کا استنباط کیا ہے، جو ان کے خیال میں ذکر کثیر یا ذکر قلبی دائمی ہے کہ یہ انقطاع پذیر نہیں، کیونکہ بیع و تجارت میں ذکر زبانی موقوف ہو جاتا ہے ۔ ذکر قلبی موقوف نہیں ہوتا ۔ اسی کو دوسرے الفاظ میں ذکرِ دوام، یا یادداشت سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ جو وقوفِ قلبی کا دوسرا نام ہے ۔

از احادیثِ نبوی اور ذکر

آیات قرآنیہ کے بعد ہم بعض احادیث نبوی کی طرف رجوع کرتے ہیں، جو ذکر کے فضائل میں وارد ہوئی ہیں ۔ حدیث ابی درداءؓ میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

الا انبئکم بخیر اعمالکم وازکاھا عند ملیککم وارفعھا فی درجاتکم وخیر لکم من انفاق الذھب والورق وخیر لکم من ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقھم ویضربوا اعناقکم ؟ قالوا بلیٰ قال ذکر اللہ (رواہ مالک واحمد و ترمذی وابن ماجہ الا ان مالکا وقفہ علی ابی الدرداء ورواہ القشیری بسندہ مرفوعاً)

کیا خبر نہ دوں میں تم کو تمہارے خیر و پاکیزہ تر اعمال کی جو تمہارے مالک کے نزدیک ہیں، اور تمہارے بلند درجات کی، اور جو تمہارے لئے زر و سیم کے انفاق سے زیادہ بہتر ہے، اور بہتر ہے اس سے بھی کہ تم اپنے دشمن سے لڑو اور پھر تم انکی گردن مارو اور وہ تمہاری گردن ماریں ؟ کہا ہاں فرمایا ذکر اللہ تعالےٰ کا ۔

بخاری اور مسلم نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے :

مامن شئ انجی من عذاب اللہ من ذکر اللہ قالوا ولا الجھاد فی سبیل اللہ قال ولا ان یضرب بسیفہ حتی ینقطع ۞

کوئی شئ ذکر اللہ سے زیادہ اللہ کے عذاب سے نجات دینے والی نہیں عرض کیا گیا کہ کیا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں فرمایا کہ نہیں اللہ کے ذکر کی برابری کرتا یہ کام کہ مرد مجاہد اپنی تلوار سے اسقدر مارے کہ تلوار ٹوٹ جائے ۔

مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سبق المفرّدون، قالوا وما المفرّدون یارسول اللہ؟ قال: الذاکرون اللہ کثیرا والذاکرات!	مفردین بازی لے گئے! کہا کہ مفردین کون لوگ ہیں یارسول اللہ؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثیر کرنے والے اور ذکر کثیر کرنے والیاں

ترمذی نے انسؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یقول اللہ تعالیٰ انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی، فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی، وان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منہ (متفق علیہ)	اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں، اور میں اس کے ہمراہ ہوں جب وہ مجھ کو یاد کرتا ہے اگر وہ میرا ذکر اپنے جی میں کرتا ہے تو میں بھی اس کا ذکر اپنے جی میں کرتا ہوں اور اگر وہ میرا ذکر مجمع میں کرتا ہے تو میں بھی اسکا ذکر مجمع میں کرتا ہوں اور یہ مجمع اس کے مجمع سے بہتر ہوتا ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

حدیث عبداللہ بن بسر میں آیا ہے کہ:

ان رجلاً قال یارسول اللہ ان شرایع الاسلام قد کثرت علیّ، فاخبرنی بشیئ اتشبث بہ، قال لایزال لسانک رطباً من ذکر اللہ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ وقال الترمذی ھذا حدیث حسن غریب)	ایک شخص نے کہا یارسول اللہ شرایع اسلام مجھ پر کثرت سے ہوگئے، مجھے ایسی چیز بتلائیے کہ میں اس پر چنگل ماروں، فرمایا، کہ تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے

⁂ ⁂ ⁂

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ تعالیٰ یقول انا مع عبدی	اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنے بندے کے ساتھ

اذا ذکرنی وتحرکت بی شفتاہ (رواہ البخاری)
ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے، اور اس کے ہونٹ مجھ ہی سے حرکت کرتے ہیں۔

قشیری نے اپنی سند سے انسؓ سے روایت کی ہے:

لاتقوم الساعۃ علی احد یقول اللہ اللہ وفی روایۃ لاتقوم الساعۃ حتی لا یقال فی الارض اللہ اللہ۔
قیامت برپا نہ ہوگی اس شخص پر جو اللہ اللہ کہتا ہے۔ اور دوسری روایت میں یوں آیا ہے کہ قیامت اسی وقت برپا ہوگی جب زمین پر اللہ اللہ نہ کہا جائے۔

ابو موسیٰؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے، اور جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا ایسی ہی ہے جیسے زندہ اور مردے کی مثال (رواہ البخاری)

ذکر کو افضل کیوں قرار دیا گیا؟:

ذکر کے فضائل میں ان آیات واحادیث کو سننے کے بعد ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ذکر باوجود زبان پر اتنا آسان ہونے کے، اور اس میں کسی قسم کی محنت اور تعب نہ ہونے کے دوسری تمام عبادتوں کے مقابلہ میں جن میں کافی مشقت بھی اٹھانی پڑتی ہے، افضل وانفع کیوں قرار دیا گیا ہے؟ امام غزالیؒ اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اس امر کی تحقیق تو علمِ مکاشفہ ہی سے ہو سکتی ہے، لیکن علم معاملہ میں اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ موثر اور نفع بخش ذکر تو وہی ہوتا ہے جو علی الدوام ہو، اور حضور قلب کے ساتھ ہو۔ رہا وہ ذکر جو نری زبان سے ہو اور دل لہو ولعب میں مبتلا ہو اس کا نفع نہایت تھوڑا ہوتا ہے۔ احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

زباں در ذکر و دل در فکر خانہ
چہ حاصل زیں نمازِ پنجگانہ!

اسی طرح جو ذکر کہ کچھ دیر حضورِ قلب کے ساتھ ہوتا ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ سے غفلت ہو جاتی ہے، اور امور دنیا میں مشغولیت ہو جاتی ہے، وہ ذکر بھی زیادہ

مفید نہیں ہوتا۔ علی الدوام یا اکثر اوقات میں حضور قلب مع اللہ ساری عبادتوں پر مقدم ہے، بلکہ ساری عبادتوں کو ایسے ذکر سے ایک طرح کا شرف حاصل ہوتا ہے، اور یہ ذکر عباداتِ عملیہ کی غایت یا ثمرہ ہوتا ہے۔ ذکر کا ہر چیز کی طرح ایک اول ہوتا ہے، اور ایک آخر۔ اولِ ذکر موجب انس وحب ہوتا ہے، اور آخرِ ذکر انس وحب کو واجب ولازم قلب کر دیتا ہے، اور یہی حب وانس مقصود و مطلوب سالک ہے! ابتدا میں سالک تکلف سے اپنے دل وزبان کو ذکر اللہ کی طرف پھیرتا ہے، لیکن جب ذکر کی مداومت پر اس کو توفیق نصیب ہو جاتی ہے تو وہ مانوس بذکر ہو جاتا ہے، اور اس کے قلب میں حب مذکور رچ جاتا ہے، پھر اس کے بغیر اس کو چین نہیں ملتا۔ اور وہ چیخ اٹھتا ہے:

عمر م ہماں است آنچہ کنم یاد روئے تو
جانم ہماں است آنچہ نہم زیر پائے تو

اب وہ اپنی عمر کے اس حصہ کو مفید و کار آمد سمجھتا ہے، جو محبوب حقیقی کی یاد میں گزرتا ہے۔ دلِ غافل اور موت اس کی نگاہ میں ایک نظر آتے ہیں۔ ایسے صاف دل کو نہ ہائے ہوئے سے کام اور نہ بحث وگفتگو سے کوئی تعلق! اس حال کو کسی عاشق نے اس طرح ادا کیا ہے۔ ؎

تھا ترا خیال ہی مستتر تھی تری تلاش ہی خیمہ زن! — مری آہ میں مری واہ میں اثر سوز میں مرے ساز میں
نہ کسی سے کام نہ واسطہ مجھے کام اپنے ہی کام سے — ترے ذکر سے تری فکر سے تری یاد سے ترے نام سے

ذکر کا مقصود اسی انس اسی اشد حب یا عشق کا پیدا کرنا ہے، اور ہم نے اوپر دیکھا ہے کہ ہمارے خواجہؒ نے "اصل خلقت دراں حکمت اسی محبت کو قرار دیا ہے"

(اسرار الاسرار، سمرے مہم ص۱۶۱)

اوپر کی تفصیلات سے اس امر میں شبہہ کی گنجائش باقی نہ رہی کہ ذکر الٰہی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ ثبوت مطلق ذکر کا ہے، اور ذکر جس کی ضد نسیان ہے، یاد کو کہتے ہیں، لہٰذا لفظیاً یہ لازم آتا ہے کہ جو طریقہ بھی حق تعالیٰ کی ذات، اسکی صفات اور اس کے کمالات کی یاد دلانے کا ہو وہ دراصل ذکر ہی ہے۔ اس کلیہ کو

کو پیش نظر رکھ کر نماز، تلاوتِ قرآن، درود، اسماء حسنیٰ کا ورد، تہلیل، تحمید، تکبیر تسبیح، استغفار، استعاذہ، کلمۂ طیبہ سب داخلِ ذکر ہیں جن کا ثبوت خود قرآن کی آیات سے ملتا ہے۔ اور بہت سی دعائیں خود حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی ہیں۔

ذکر نفی واثبات:

جملہ اذکار میں سے مشائخ طریقت نے ذکر اسم ذات (اللہ) اور ذکر نفی واثبات (لاالٰہ الا اللہ) کو خصوصیت کے ساتھ اختیار فرمایا ہے۔ ذکر لاالٰہ الا اللہ کو تو اسلئے اختیار کیا گیا کہ حدیث نبوی بھی اسی کو افضل ذکر قرار دیتی ہے۔ افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن) اور کثرت سے احادیث اس کی فضیلت میں وارد ہیں، تمام کلماتِ مقدسہ کا یہ کلمہ جوہر ہے، یہ جانِ توحید ہے اور نورِ تفرید، اسی کے معنی ومفہوم کی طرف تمام قرآن مجید دلالت کر رہا ہے۔ یہ تمام آلہۂ باطلہ کی نفی کرتا ہے۔ اور حق سبحانہ تعالیٰ کا اثبات، نہ صرف آلہۂ باطلہ کی نفی کرتا ہے بلکہ تمام فانی مقاصد کی بھی نفی کرتا ہے۔ اور ایک مقصود ومطلوب حقیقی سے وابستگی وپیوستگی پیدا کرتا ہے، یعنی دل کو جو تفرقہ وپراگندگی کا باعث ہے، زلفِ یار سے باندھ کر آزاد کر دیتا ہے!

(۲) ذکر اسم ذات:

ذکرِ اسمِ ذات کو اسلئے اختیار کیا گیا کہ سب اسماء حسنیٰ اسمائے صفات ہیں، جو خاص خاص صفات کی طرف دلالت کرتے ہیں، اور اللہ اسم ذات ہے جو ذات جامع صفات وکمالات کی طرف دلالت کرتا ہے۔ اس ایک مختصر نام سے حق تعالیٰ کو یاد کرنا گویا ذات حق سبحانہ کو تمام اسماء وصفات کے ساتھ یاد کرنا ہے، علاوہ ازیں ذکر کثیر باعتبار تعداد جس آسانی سے اللہ کے ذکر سے ممکن ہے، کسی اور اسم سے اس جامعیت

کے ساتھ ممکن ہی نہیں۔ اگر تمام اسماء حسنیٰ کا ذکر کیا جائے تو نہ تو تعداد کے اعتبار سے اس کے برابر ہو سکتا ہے، اور نہ اس جامعیت کے اعتبار سے جس میں ذات مطلق بھی شامل ہو اور یہ امر بھی مشائخِ کبار کے روحانی تجربات سے ثابت ہے کہ ہر اسم کا ایک خاص نور ہوتا ہے۔ اور اس کا اثر بھی خاص ہوتا ہے۔ برخلاف اسم ذات اللہ کے جو جامع انوار ہے اور تمام اسماء کے خواص کا جامع اور ذات مطلق کے ساتھ بھی مناسبت و تعلق پیدا کرتا ہے کیونکہ یہ اسم ذات ہے! یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسم ذات اللہ جل جلالہ نوع انسانی کا رب ہے، یعنی رب الناس، لہٰذا ہر انسان کو اس اسم پاک سے مضبوط تعلق ہے اور اس کو ہر حالت اور ہر صورت میں اس اسم سے فیض پہونچ سکتا ہے۔ اور اس کے ہر درد کا علاج ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسم اللہ کو اسم اعظم کہا گیا ہے۔ یہ عمومیت و خصوصیت کسی دوسرے اسم میں نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا ایک ایسی تعلیم کے لئے جس کا اصل منشا، ہر طالب کو نفع پہونچانا ہو ایسے ہی اسم پاک کا اختیار کرنا اولیٰ و انسب تھا، ان ہی وجوہ سے مشائخِ طریقت نے اسم ذات کے ذکر کو ترجیح دی ہے۔

ابن تیمیہ کا اعتراض اور اس کا جواب

اسم ذات کے ذکر کے وقت ہم امام ابن تیمیہؒ کے اس اعتراض کا جواب دیئے بغیر نہیں گذر سکتے۔ جو انہوں نے اپنی کتاب العبودیّت[1] میں کیا ہے۔ اس اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ اسم ذات اللہ، اللہ کا ذکر بغیر اس کو دوسرے لفظ سے مرکب کرنے کے بدعت ہے۔ "اللہ تعالیٰ نے کسی کو اسم مفرد کے ذکر کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی مسلمانوں کے لئے کوئی اسم مفرد مجرد مشروع کیا ہے۔۔۔ اسم مفرد مجرد مفید ایمان نہیں ہو سکتا (ص۱۳۱)، احادیث سے جملہ مرکبہ کی تعلیم ثابت ہے۔ مثلاً سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر۔

---

[1] اس کتاب کا ترجمہ میر ولی اللہ نے بندگی کے عنوان سے کیا ہے، یہ کتاب کاشی رام پریس لاہور میں ۱۹۲۲ء میں چھپی ملاحظہ ہو ص۱۳۰ تا ص۱۲۱۔

جواب میں کہا گیا ہے کہ: (۱) کئی قرآنی آیات جوازِ ذکرِ اسم ذات (بلا ضم ضمیمہ) پر دلالت کرتی ہیں، مثلاً فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ ، قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَٰنَ أَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ، وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۔ کوئی حدیث عدمِ جوازِ ذکرِ اسمِ مفرد اللہ کی خبر نہیں دیتی، بلکہ صحیح مسلم کی حدیث سے جواز معلوم ہوتا ہے ۔ لا تقوم الساعة حتی لا يقال فی الارض الله الله، جس کو قشیریؒ نے اپنی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے ۔

(۲) سبحان اللہ کے ذکر کو امام تیمیہؒ جملہ مرکبہ سمجھ کر جائز سمجھتے ہیں لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سبحان اللہ دو لفظ مضاف و مضاف الیہ ہیں ۔ اس پر کلام اور جملہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا، مثلاً غلام زید دو لفظ مضاف و مضاف الیہ ہیں، جملہ یا کلام نہیں جب مثلاً جاء غلام زید کہا جائے تو کلام تام ہوگا، چنانچہ "کافیہ" میں کلام کی تعریف یہی کی گئی ہے ۔ الكلام ما تضمن كلمتين بالاسناد یعنی کلام دو کلموں پر مشتمل ہوتا ہے، اسناد کے ساتھ، یعنی ایک مسند اور دوسرا مسند الیہ جیسے قام زید، اس پر مخاطب کو سکوت جائز ہوگا ۔ ہم نے جو کچھ کہا اس کی تائید صاحب تفسیر بیضاوی سے بھی ہوتی ہے چنانچہ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا کی تفسیر میں بیضاوی فرماتے ہیں سبحان مصدر لا یکاد يستعمل الا مضافا منصوبا باضمار فعل ۔ یعنی لفظ سبحان مصدر ہے، صرف اسی حال میں استعمال ہو سکتا ہے کہ وہ مضاف و منصوب ہو، اور اس کا فعل پوشیدہ ہو، لہذا سبحان اللہ کے ساتھ سَبَّحْتُ یا اُسَبِّحُ فعل پوشیدہ ہوتا ہے اسی وقت اس پر کلام کا اطلاق ہوگا، اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اسم ذات اللہ منادیٰ ہے ۔ اور جائز ہے کہ منادیٰ سے حرف ندا دور کیا جائے ۔ کلام اللہ میں اس کی سند یُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا سے ملتی ہے ۔ اور کافیہ میں منادیٰ کی تعریف یوں لکھی ہے ۔

هو المطلوب اقباله بحرف نائب مناب

ادعو

یعنی منادیٰ وہ ہے کہ اس کا روبرو ہونا طلب کیا جاتا ہے

ایک حرف کے واسطہ سے جو قائم مقام لفظ ادعو (میں پکارتا ہوں) ہوتا ہے۔ لہٰذا پوشیدہ لفظ ادعو کو ملا کر ادعو اللہ یعنی میں اللہ کو پکارتا ہوں سمجھنے سے اللہ اللہ کلام تام ہوجاتا ہے۔ جیسے سبحان اللہ کے ساتھ لفظ پوشیدہ سبحت سبحان اللہ سمجھنے سے سبحان اللہ کلام تام ہوجاتا ہے۔ اللہ اللہ کے ذکر سے مراد یہ لی جاسکتی ہے۔ ادعو اللہ لیغفر لی ولیرحمنی، یا اللہ انت معبودی و انت مقصودی!

۱۰۔ طریق ذکر اور اس پر اعتراض:

ایک اور اہم سوال سے یہاں بحث کرنی ہم ضروری سمجھتے ہیں اور وہ یہ کہ مشائخ طریقت نے ذکر کا جو خاص طریقہ یا خاص ہیئت اختیار کی ہے، کیا وہ ثابت ہے؟ اگر ذکر کا یہ طریقہ یا یہ ہیئت کذائی ماثبت بالسنت نہیں قرار دی جاسکتی تو کیا یہ بدعت ضالہ نہیں؟ کیونکہ لیس بعد الحق الا الضلال ایک مسلم قاعدہ ہے جس سے کسی کو انکار نہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ:۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ۔

۱۱۔ بدعت کیا ہے؟:

بدعت کے بارے میں اکابر محدثین و فقہا کا اختلاف ہے، لیکن اتنی بات واضح ہے کہ ہر نئی چیز کو بدعت میں داخل سمجھنا اور اس کو بدعت قرار دینا محققین کا ہرگز مذہب نہیں رہا۔ بعض محققین نے تمام نئی چیزوں کو بدعاتِ ضالہ یا بدعاتِ غیر حسنہ قرار دیا ہے۔ انہوں نے بدعت کے معنی میں نہایت وسعت سے کام لیا ہے۔

نسائی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کُلُّ مُحْدَثٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ اس کا لازمی منطقی نتیجہ نکلتا ہے کہ کُلُّ مُحْدَثٍ ضَلَالَةٌ اسی لئے عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ہر نئی چیز بدعت ضلالہ ہے، اور کوئی نئی چیز بدعت حسنہ نہیں قرار دی جاسکتی۔

کبرائے ملت حنیفہ نے اس سلسلہ میں وضاحت کی ہے کہ یہ حدیث عام مخصوص البعض ہے

یعنی جو کلیت اس حدیث سے متبادر ہوتی ہے، وہ بجائے عام ہونے کے ان خاص بدعتوں سے تعلق رکھتی ہے، جو کسی اصلِ شرعی کی مخالف ہوں اور جو کسی سنتِ ہدیٰ کو اٹھا کر ان کی جگہ قائم کی جائیں، باوجود بقائے ضرورت اس سنتِ ہدیٰ کے، اور ایسی بدعتوں کے سیئہ اور ضلالۃ ہونے میں کسی کو شبہ نہیں۔ امام ابن تیمیہؒ کو بھی اس بات پر اصرار نہیں کہ یہ حدیث عام مخصوص البعض نہیں۔ اب اس حدیث کی شرح یہ ہوگی کہ کُلُّ بِدْعَۃٍ مَنْہِیٌّ عَنْہُ ضَلَالَۃٌ۔ چنانچہ بعض احادیث میں اس قسم کی قید لگائی گئی ہے جس سے اس توجیہ کی کامل تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے۔

مَنْ اَحْیٰی سُنَّۃً مِنْ سُنَّتِیْ قَدْ اُمِیْتَتْ بَعْدِیْ فَاِنَّ لَہٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْئًا، وَمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَۃً ضَلَالَۃً لَا یَرْضَاھَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ کَانَ عَلَیْہِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ عَمِلَ بِھَا لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اَوْزَارِھِمْ شَیْئًا (رواہ مسلم)[1]

جس شخص نے زندہ کیا میری سنت کو جو میرے بعد مٹ گئی تھی، اسکے لئے ثواب ہوگا، اس شخص کے ثواب کے برابر جس نے کہ اس پر عمل کیا بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کوئی کمی ہو، اور جس شخص نے ایسی گمراہ کن بدعت نکالی جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی نہیں اس کو گناہ ہوگا مانند اس شخص کے جس نے اس پر عمل کیا، اور انکے بوجھ سے کوئی چیز کم نہ ہوگی۔

یہاں بدعت کے متعلق یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ جس بدعت سے خدا اور اس کا رسول راضی نہیں وہ منہی عنہا ہے۔ اور یہ وہی بدعت ہے جو کتاب و سنت کے مخالف یا مزاحم ہے اور ایسی بدعت بدعت ضلالۃ ہے اگر ہر بدعت بدعتِ ضلالۃ ہوتی، یا اگر بدعت کے لفظ کا اطلاق ہی بدعتِ ضلالۃ پر ہوا کرتا، تو اس قید لا یرضاھا اللّٰہ ورسولہ کے بڑھانے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ یہ قضیہ بھی مسلم ہے کہ مَا مِنْ عَامٍّ اِلَّا وَقَدْ خُصَّ عَنْہُ الْبَعْضُ، یعنی کوئی عام قضیہ ایسا نہیں ملتا جس سے بعض کو مخصوص نہ کر دیا گیا ہو۔ لہٰذا یہ صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ بدعت کو

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب العلم میں یہ حدیث ان الفاظ میں نقل کی گئی ہے مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حسنۃ فلہٗ اجرھا واجرُ من عمل بھا مِنْ بَعْدِہٖ غیر اَنْ ینقص فی اجورھم شیئًا ومن سنّ سُنّۃ سیئۃ فعلیہ وِزرُھا ووزرُ من عمل بھا من بعدہٖ غیر ان ینقص من اوزارھم شیئًا (رواہ مسلم)

بدعت ضلالہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔

علامہ شیخ ابن حجر مکی ؒ نے فتح المبین میں لفظ ضلالۃ کی شرح میں اس امر کو واضح کر دیا ہے، اور اس کے بعد لکھا ہے کہ بدعت "احکام خمسہ" میں منقسم ہے[1]۔

(۱) بدعت واجبہ:۔ اگر کوئی شخص ایسی چیز کا اختراع کرتا ہے، جس پر شریعت کا حفظ موقوف ہے تو ایسی بدعت بدعت واجبہ ہوگی اسلئے کہ موقوف علیہ واجب کا واجب ہے۔ مثلاً کتب و رسائل شرعیہ کا تصنیف کرنا، جیسے صحاح ستہ، ہدایہ، احیاء العلوم وغیرہ، نحو و علم کلام کی ایجاد یا علم صرف و نحو جن سے قرآن مجید و احادیث نبوی کے الفاظ و اعراب کو صحیح طور پر پڑھا جا سکتا ہے، اور ان کے معنی کے سمجھنے کی قدرت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح لغت جس کی مدد سے کتاب و سنت کے الفاظ کے معنی سمجھ میں آتے ہیں۔ چونکہ یہ ساری چیزیں واجب (کتاب و سنت) کے موقوف علیہ ہیں ان کی تعلیم بھی واجب ہوگی۔ انہیں بدعت قرار دے کر ترک نہیں کیا جا سکتا اور ہر بدعت کو بدعت ضلالہ نہیں مانا جا سکتا! فتدبر!

(۲) بدعت محرمہ:۔ بدعات محرمہ میں اہل بدعت کے وہ تمام مذاہب داخل ہیں جو اہل سنت والجماعت کے مخالف ہیں، بات یہ ہے کہ قرآن نے وجہ تخلیق عالم عبادت کو قرار دیا ہے:۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ، اور عبادت اسی وقت مکمل ہوتی ہے جب آدمی مقتضیاتِ طبع سے قطع تعلق کر کے احکام باری تعالیٰ کا تابع ہو جاتا ہے۔ اور عقل جزئی کے احکام میں بند نہیں ہو جاتا۔ جس چیز کو حق تعالےٰ نے حَسَن یا اچھا قرار دیا ہے، اس کو حسن سمجھتا ہے جس کو قبیح یا برا کہا ہے اس کو قبیح جانتا ہے، معیار حسن و قبح عقل نہیں، طبیعت نہیں بلکہ الحسن ما حسّنہ الشرع والقبیح ما قبّحہ الشرع، ظاہر ہے کہ اس حالت میں ہمیں کتاب۔ سنت کا اتباع کرنا لازمی ہے، اور ہم اپنی طرف سے امر دین میں تراش خراش نہیں کر سکتے، اگر ہم ایسا کریں تو ہم عبدیت کے دائرہ سے نکل جائیں گے۔ اب اگر امر دینی میں ایسی چیز کا اختراع کیا جاتا ہے، جس کا تعلق اعتقاد سے ہے تو اس کو "بدعت مکفرہ" کہا جاتا ہے جیسے عالم کو قدیم ماننا، یا حشر اجساد کا انکار کرنا۔ یا صفات الٰہیہ کی نفی کرنا۔ حکماء نے ... میں سے بعض نے ایسا کیا ہے۔ اور بدعتیں کفر ... مرتکب ہوئے ہیں۔ اس قسم کے اعتقاد

[1] وجوب، حرمت، ندب، کراہت، اباحت، یہ تقسیم ... شرح صحیح مسلم میں

سے کفر لازم آتا ہے، اگر ایسے امر دینی کا انکار کیا جائے جو دلیلِ ظنی، یعنی خبرِ احاد سے ثابت ہے تو یہ بدعت تمام کبائر سے نفس گناہ میں بڑی سمجھی جاتی ہے، بدعت محرمہ ہے، مثلاً سوال قبر یا عذابِ قبر کا انکار، علم کلام میں جب "مبتدع" یا اہل ہوی، یا اہل الاہوا، یا اہل بدعت کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، تو اس سے اہل بدعت شرعیہ فی الاعتقاد مراد ہوتی ہے چنانچہ سنن دارمی میں شعبی سے مروی ہے۔ اِنَّمَا سُمُّوْا اَصْحَابَ الْاَھْوَاءِ لِاَنَّھُمْ تَھْوُوْنَ فِی النَّارِ۔ "یعنی ان کے نام اصحاب اہوا اسلئے رکھے گئے کہ وہ جہنم میں داخل ہونگے" یہ اہل بدعت اہلِ سنت و جماعت کے مقابل ہیں، ان دونوں قسم کے مبتدعین کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہوتی۔

اگر طبیعت یا عقل کی تراش خراش امر عبادت سے متعلق ہوتی ہے، یعنی کتاب و سنت کے خلاف عبادت میں زیادتی یا نقصان کیا جاتا ہے تو اس کو بدعتِ منکرہ، یا بدعتِ ضلالہ کہا جاتا ہے۔ جب یہ بدعت سنت موکدہ سے مزاحم ہوتی ہے تو اسکے قبح میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ لیکن بدعۃ فی الاعتقاد سے اس کا درجہ کم ہے، بدعتِ ضلالہ کا مقابل "سنتِ ہدیٰ" ہے، جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے من حیث العبادت مواظبت فرمائی ہے اور کبھی ترک نہیں فرمایا ہو، اور اس کے تارک پر انکار یا ملامت نہیں فرمائی، ایسے شخص کے پیچھے بھی نماز کروہ ہے، بشرطیکہ وہ اپنی بدعت میں ایسا غلو نہ کر جائے جو اس کو کفر کی حد تک پہونچا دے۔ احادیثِ نبوی میں جس جگہ بھی بدعت کی مذمت آئی ہے، ان ہی اقسامِ ثلاثہ میں سے کسی قسم کی بدعت مقصود ہے۔

یہاں پر ایک نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ زیادتی یا نقصان جس کا اوپر ذکر ہوا اگر صرف رائے سے ہو یعنی کسی فرد کی طبیعت یا عقل سے ہو تو اس کو بدعت قرار دیا جائے گا لیکن اگر یہ اس معنی میں مجرد رائے کے نہ ہو تو وہ بدعت نہیں قرار دیا جا سکتا۔ مثلاً عبادت میں جو زیادتی یا کمی بحسب اختلاف مذاہب اربعہ پائی جاتی ہے وہ کسی طرح بدعت نہیں دیکھو امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی رو سے اقامت امام کے الفاظ دو بار کہے جاتے ہیں، اور امام شافعیؒ کے مذہب پر ایک بار۔ یہ اختلاف مجرد رائے کی بنا پر نہیں چونکہ

اس باب میں مختلف طور پر احادیث وارد ہیں، امام ابو حنیفہؒ نے انہی احادیث کا اعتبار کیا ہے، یا انہیں ترجیح دی ہے جن سے الفاظ اقامت کا مکرر کہنا ثابت ہوتا ہے۔ اور امام شافعیؒ نے ان احادیث سے استمساک کیا جن سے الفاظ اقامت کا فرادیٰ فرادیٰ کہنا ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کمی و زیادتی کا سبب مجرد رائے نہ ہوا بلکہ ادلۂ شرعیہ ان کی بنیاد قرار پائے؛

(۳) بدعتِ مندوبہ:۔ اگر ایسے امور کا احداث ہو جن سے امر مشروع کو مدد پہونچتی ہو گو یہ خود موقوف علیہ نہیں ہوتے، تو ان کو "بدعاتِ مندوبہ" کہا جاتا ہے۔ مثلاً منارۂ اذان کا بنانا۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے شرحبیل بن عامر مرادی نے مصر میں اذان کے لئے منارہ بنایا۔ منارہ سے نماز پنجگانہ اور جمعہ کی اذان کی آواز دور دور پہونچتی ہے اور مصلی وقت پر نماز کے لئے حاضر ہو سکتے ہیں۔ مسجد نبویؐ کے متصل ایک صحابیہؓ کا مکان تھا جس سے اونچا کوئی مکان اس نواح میں نہ تھا، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ صبح کے وقت اس مکان کی چھت پر صحابیہؓ کی اجازت سے آبیٹھتے، جب صبح نمودار ہوتی تو اذان کہتے، منارۂ اذان کا بنانا گو ایک بدعت ہے، لیکن امر شرعی کو اس سے مدد ملتی ہے۔ لہٰذا یہ ایک بدعت مندوبہ ہے، اسی طرح مدارس کا بنانا جن میں علم دین کی تعلیم دی جاتی ہے امر مشروع کی اعانت ہے، اسی طرح مہمان سرا رباط، خانقاہ سے بھی یہی غرض حاصل ہوتی ہے۔

(۴) بدعتِ مکروہہ:۔ اگر امور مستحدثہ عبادت سے متعلق ہوں، مگر خلافِ کتاب و سنت نہ ہوں، اور ان سے کتاب و سنت پر ایسی زیادتی لازم نہیں آتی جو حد کفر یا حرمت تک پہونچ جائے تو ان کو بدعاتِ مکروہہ کہا جاتا ہے، جیسے قرآن مجید کو لوح زریں اور طلائی بیل بوٹے سے آراستہ کرنا، یا مساجد کو نقش و نگار سے آرائش دینا۔ کراہت کا اصلی منشا شاید یہ ہے کہ اس سے نماز کی حالت میں، یا تلاوت کے وقت خشوع و خضوع میں نقصان ہوتا ہے، اور توجہ الی اللہ میں فتور پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ نقش و نگار توجہ کو حق تعالیٰ کی طرف سے ہٹا کر اپنی طرف جذب کر لیتے ہیں اور حضورِ تام پیدا ہونے نہیں

دیتے!

(۵) بدعتِ مباحہ : ۔ اگر امورِ مستحدثہ عبادت سے متعلق نہ ہوں، اور ان کے فعل، یا ترک پر ثواب یا عقاب مرتب نہ ہو تو ایسی بدعات فی العادت "بدعات مباحہ" کہلاتی ہیں جیسے قسم قسم کے لذیذ کھانے، طرح طرح کے نفیس کپڑے، وسیع و عریض مکانات، یہ سب بدعات ہیں، لیکن بدعاتِ مباحہ، ان سے آدمی کو نہ تو ثواب ملتا ہے اور نہ اس پر عقاب ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات نہ بھولنی چاہیئے کہ اگر ان سے طاعتِ شرعیہ چھوٹتی ہے تو پھر یہ بدعات مکروہہ ہونگی۔ مثلاً کسی نے بہت بڑا عمامہ باندھ لیا جس کی وجہ سے نماز میں اچھی طرح سجدہ نہ ہو سکا، یا نفیس کپڑے پہن لئے اور نماز میں اس کی توجہ انکی طرف ہو گئی، یا قلب میں تکبر یا عُجب پیدا ہو گیا، یا ریا کا دخل ہو گیا!

نہ بری گمان یعنی کہ بجذار سیدہ باشی!
تو ز خود برون نہ رفتی بکجا رسیدہ باشی!

علامہ شیخ ابن حجر مکی کی مذکورہ بالا وضاحت سے یہ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بدعت کی اقسام ہیں، ان میں سے بعض کفر ہیں، بعض حرام ہیں، بعض مکروہ ہیں بعض واجب اور بعض مندوب، بعض مباح۔ ان سب کی موجودگی میں عقل و مشاہدہ، اور قواعد شرعیہ سے صرفِ نظر کر کے خود پسندی سے کام لیکر۔ حدیثِ نبویؐ کا صحیح مفہوم نہ سمجھ کر ہر بدعت کو ضلالت قرار دینا، یہاں تک کہ صحابہؓ، تابعین و اتباعِ تابعین اور مجتہدین فقہاء و مشائخ کے اجتہادات سب کو بدعۃِ ضلالہ قرار دینا محض جنون ہے! بدعت کی جو اقسام واجب و مندوب ہیں جس طرح انہیں بدعۃِ واجبہ و مندوبہ کہتے ہیں، اسی طرح انہیں بدعتِ حسنہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ محض اسلئے کہ جو چیز واجب و مندوب ہو گی وہ خواہ مخواہ حَسَن بھی ہو گی، اور اسی طرح اس پر "سنت حکمیہ" کا بھی اطلاق کیا جاتا ہے، اسلئے کہ بدعات کی یہ قسمیں یا تو موقوف علیہ فرائض و سنن ہیں، یا فرائض و سنن کو ان سے مدد پہونچتی ہے۔ یا ان کا استخراج کتاب و سنت سے ہوا ہے۔ یا فی نفسہ حَسَن سمجھ کر ان کا استخراج ہوا ہے۔ اور ان پر انکار نہیں پایا گیا۔ ان اقسام پر اطلاق سنت کا کیا گیا ہے

چنانچہ حدیث مسلم میں آیا ہے۔ مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فلہ اجرھا واجر من عمل بھا من بعدہ الخ۔

ایسی صورت میں اس کے کرنے والے کو سنی کہیں گے نہ بدعی ——— ہماری اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ بدعتِ واجبہ مندوبہ کو جمہور علماء نے بدعتِ حسنہ و سنت حکمیہ سے تعبیر کیا ہے، اور بعض صرف سنت حکمیہ کہتے ہیں، مگر دونوں مسلک کا مآل ایک ہے۔ بدعت حسنہ اسلئے کہتے ہیں کہ وہ مصداق ماراٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن[۱] ہے، اور سنت حکمیہ اسلئے کہتے ہیں کہ وہ ملحق بالسنۃ ہیں، ایسی صورت میں نزاع لفظی ہوئی نہ معنوی، اور نزاع لفظی حقیقت میں نزاع نہیں۔

ان مشائخ کے طرقِ ذکر بدعت نہیں:

بدعت کی اس توضیح کے بعد ہم اس سوال کا جواب آسانی سے دے سکتے ہیں جو اس بحث کی ابتدا کا باعث بنا ہے، یعنی مشائخِ طریقت نے ذکر کے جو خاص طریقے، یا خاص ہیئتیں اختیار کی ہیں کیا انہیں بدعات قرار دیا جا سکتا ہے؟

اس کا صاف جواب یہ ہے کہ ذکر کے مختلف طریقے مثلاً تکرارِ کلمۂ طیبہ بحبسِ نفس (یا ایک سانس میں حد معین تک اس کی تکرار یا جلسۂ دوزانو یا چار زانو وغیرہ بدعت کی تعریف سے قطعاً خارج ہیں، کیونکہ ان خاص اوضاع کو کسی نے بھی دین و ملت نہیں قرار دیا، اور نہ اس سے غافل یا اس کے تارک کو عند اللہ مثاب یا ملام سمجھا ہے۔ بلکہ ان کو ویسا ہی سمجھا گیا ہے، جیسا کہ صرف و نحو کے قواعد کو جو آیات قرآنی و احادیث نبویؐ کے مضامین کے ادراک کے لئے ضروری ہیں، یا ان کی مثال آلات حرب سے دی جا سکتی ہے۔ جو مختلف زمانوں میں ایجاد ہوتے ہیں، اور جن کو کفار سے جنگ کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح حبسِ نفس یا دوزانو یا چار زانو بیٹھنا گرمیٔ قلب کے پیدا کرنے، یا وساوس و خطرات کو دفع کرنے کے لئے مفید ہیں، عند اللہ قرب منزلت کے مستوجب انہیں کسی نے قرار نہیں دیا۔ ان امور عادیہ کو اگر کوئی مقاصد شرعیہ قرار دے تو بیشک وہ اس کے حق میں بدعت سمجھے جا سکتے ہیں، لیکن ان اداب

---

[۱] رواہ الحاکم عن ابن مسعود۔

قواعد کے اختیار کئے بغیر تاثیر کامل یا حضورِ قلب جو مقصودِ اصلی ہے، حاصل نہیں ہوتا خصوصاً مبتدی کے لئے تو یہ لازم و ضروری ہیں، اسلئے اکابر مشائخ طریقت جو مجتہد ہیں، اور حکمائے ربانی ہیں انہوں نے امراض باطنی کا علاج سمجھ کر انہیں تجویز کیا ہے۔ اور انہیں اس تجویز کا حق حاصل ہے! اہل اس بات پر متفق ہیں کہ علم حقائق، توحید و سلوک طریقت میں حضرت جنید بغدادیؒ و حضرت بایزید بسطامیؒ و حضرت محی الدین سید عبدالقادر جیلانیؒ و حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ و حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ و حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ و حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ وغیرہ کے ارشادات قابل عمل ہیں، کیونکہ یہ سب بزرگان دین مجتہد منتسب یا مجتہد فی المذہب۔ اہل ترجیح کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ اور ان سب کو اور جو ان کے مانند ہیں اہل اسلام کا پیشوا اور مقتدی جاننا چاہیے۔ ان صوفیائے کرام کی کتابیں جو سلوک طریقت و حقیقتِ توحید و معرفتِ الٰہی میں مشہور ہیں قرآن و حدیث و عقائد و فقہ کے مطابق ہیں، اور دلائل سب ان کی کتابوں میں مذکور ہیں، اور جہاں قرآن و حدیث کی دلیل نہ ہو تو مجتہد یا فقہا کی مانند انکا بھی اجتہاد ہے، بموجب روایت معاذ بن جبلؓ:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما بعثہ الی الیمن قال کیف تقضی اذا عرض لک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال فبسنۃ رسول اللہ قال فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ؟ قال اجتھد برائی قال فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی صدرہ وقال: الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی بہ رسول اللہ (رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی)

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو اس وقت آپ نے ان سے پوچھا کہ جب کوئی مقدمہ تمہارے پاس آئے تو تم کیسے حکم کرو گے؟ عرض کیا کہ کتاب اللہ کے مطابق۔ فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو پھر؟ عرض کیا کہ سنت رسول اللہ کے مطابق، فرمایا اگر سنت رسول میں بھی نہ پاؤ تو؟ عرض کیا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پہ ہاتھ مارا اور فرمایا حمد ہے اللہ کی کہ رسول اللہ کے وکیل کو اس چیز کی توفیق دی جس سے رسول اللہ راضی ہو۔

اسی بنا پر اولیاء کاملین نے طریقہ میں مجتہد فی المذہب یا مجتہدانِ منتسب کی طرح قرآن وحدیث سے مسائل توحید و سلوک ثابت کئے ہیں، یا کشف و الہام کی بناء پر ارشاد فرمایا ہے۔ لیکن اکابر اولیاء کے اس کشف و الہام کا معیار قرآن وحدیث و اجماع ہی رہا ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

کُلُّ حَقِیْقَۃٍ لَا یَشْھَدُ لَھَا الشَّرْعُ فَھُوَ زَنْدَقَۃٌ [1] — یعنی وہ علم حقیقت یا کشف جس کی شرع گواہی نہ دے وہ زندقہ (کفر و الحاد) ہے۔

لہٰذا اکابر صوفیاء کے اجتہاد کو علماء مجتہدین کے اجتہاد کے برابر سمجھنا چاہئے۔! ان کے صاحب ولایت ہونے اور ان کے طریقے کے مقبول ہونے پر اہل سنت کے تمام علماء سلاطین و امراء و خاص و عام کا اجماع ہر وقت رہا ہے۔ اب جو ان اکابر اولیاء کے سلوک و طریقت سے انکار کرے وہ اجماع اہل اسلام کا منکر قرار دیا جائے گا۔ اور اجماع کے مخالف کو قرآن کریم کی یہ تہدید کافی ہے:

وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا (پ ۵ ع ۱۴)

اور جو کوئی مخالفت کرے رسولؐ کی جب کہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے راستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کریں گے اس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے اس کو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ پہونچا۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وعید بس ہے۔

اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار۔ (رواہ ابن ماجہ من حدیث انسؓ)

اتباع کرو بڑی جماعت کی، جو شخص جماعت سے علیحدہ ہوا، وہ دوزخ میں جا پڑا۔

٭ ٭ ٭

اور:

---

[1] دیکھو فتوح الغیب مقالہ ۳۶ـ

يد الله على الجماعة من شذ شذ — اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے، جو جماعت سے علیحدہ
في النار (رواه الترمذي) — ہوا وہ دوزخ میں جا پڑا۔
اور
من فارق الجماعة شبراً فقد خلع — جو شخص ایک بالشت بھی جماعت سے دور ہوا
ربقة الاسلام من عنقه۔۔ — اس نے حلقۂ اسلام کو اپنی گردن سے نکال
(رواہ احمد وابوداؤد)۔ — پھینکا۔

حضرت خواجہؒ کے طرقِ ذکر:

ذکر کے فضائل جو قرآن وحدیث میں آئے ہیں اور صوفیائے کرام کے طریقِ ذکر پر جو شبہات وارد ہوتے ہیں ان کا کسی قدر تفصیلی ذکر کرنے کے بعد اب ہم اپنے خواجہ کے طریقِ ذکر کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔

مریدوں کو ابتدائی حالت میں ہمارے خواجہ یہ تلقین فرمایا کرتے کہ وہ ہر روز اوراد شیخ نصیر الدین محمودؒ پر عمل کریں، اور ان کا وظیفہ رکھیں، اور اگر کوئی بلند ہمت ہوتا اور یہ چاہتا کہ اس طائفہ (یعنی صوفیوں) سے کام کرے اور ان کے مقامات کو بھی حاصل کرے تو اس کو تلقین ذکر ومراقبہ فرماتے[1]

پہلے آپ ذکر دو حلقی کی تلقین فرماتے تھے) اور ذکر فنا وبقا، مراقبۂ علم بھی ارشاد فرماتے۔ اس کے بعد اس کی حالت کے مناسب دوسرے اذکار بھی بتدریج ارشاد فرماتے[2]

۱) ذکر دو حلقی یا دو ضربی:

ذکر دو حلقی (یا دو ضربی) یہ ہے: لاالٰہ کو دہن قلب سے نکال کر گردن اور سر کو دائیں جانب کھینچے، اور یہ تصور کرے کہ غیر اللہ کو دل سے نکال کر پھینک رہا ہے، یہ ایک

---

[1] سیر محمدی مصنفہ شاہ محمد علی سامانی اترجمہ معروف بہ تحفۂ احمدی از شاہ نذیر احمد قادری مطبوعہ یونانی دواخانہ پریس سبزی منڈی الٰہ آباد ۱۳۴۷ھ صـ۳۸ ۔ [2] ایضاً صـ۳۹

حلقہ ہوا، پھر سر گردن کو بائیں طرف لا کر دہن قلب پر الا اللہ کی ضرب لگائے اور تصور کرے کہ اس کے اندر نور الٰہی داخل کر رہا ہے۔ ان دونوں حلقوں میں گردن کی پیچیدگی سے یہ مراد ہے کہ ایک میں دنیا، اور دوسرے میں عقبیٰ کو لپیٹ دیا اور پشت کی طرف ڈال کر ان سے بے خبر و بے غرض ہو گیا، اور محض حق تعالیٰ کو دل میں ثابت و باقی رکھا۔

ضرب زور کے ساتھ لگائے اور کوشش کرے کہ یہ آواز دل کے اندر سے بر آمد ہو۔ ذکر کی حالت میں ذاکر کو یہ خیال بھی جمانا ضروری ہے کہ خدائے عز و جل حاضر ہے اور میں اس کے حضور میں بیٹھا ہوا ہوں، تاکہ ذکر کے ساتھ ہی ساتھ مراقبہ بھی ہوتا جائے۔ ذکر کی حالت میں خدا سے غافل نہ رہے۔ بلکہ حضور قلب کے ساتھ اپنے مقصود کی طرف متوجہ رہے۔ اور خطرات کو دل میں نہ آنے دے۔

اسی ذکر کے دو طریقے ہیں۔ ایک وہ جس میں باآواز بلند ضرب لگائی جاتی ہے۔ اس کو "ذکر جلی" کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جس میں آہستہ ضرب لگائی جاتی ہے۔ اس کا نام ذکر خفی ہے۔

یہ بھی معلوم رہے کہ اگر ذکر کے ساتھ حبس دم کا بھی لحاظ رکھا جائے تو خطرات کے دفع کرنے میں اس کی تاثیر زیادہ ہوتی ہے۔ اور اگر ذکر کے علاوہ دوسرے اوقات میں مثلاً کھانا کھانے اور پانی پینے میں بھی اس کا خیال رکھیں تو بہت جلد مقصود تک رسائی ہوتی ہے۔[۱]

۱۱: ذکرِ فنا و بقا یا نفی و اثبات:

ذکر "فنا و بقا" جس کو "نفی و اثبات" یا "آرہ و دبرہ" بھی کہتے ہیں۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ حرف لَا مَد کے ساتھ بائیں زانو کے نحت سے شروع کرے۔ اور داہنے زانو کے سر تک پہونچا لے، اور وہاں سے کلمۂ اِلٰہ کو داہنے مونڈھے تک پہونچائے اور وہاں سے کلمہ الا اللہ کو فضائے دل پر شدید یعنی تشدید کے ساتھ (خوب زور سے) ضرب لگائے۔ اس ذکر کو چار ضربی بھی کہتے ہیں۔

---

[۱] رسالہ اذکار چشتیہ صفحہ ۲ یہ رسالہ "مجموعہ یازدہ رسائل" میں شامل ہے جس کو مولوی حافظ سید عطا حسین صاحب نے انتظامی پریس کیسری بلڈنگ حیدرآباد دکن سے ۱۳۱۷ھ میں شائع کیا ہے۔

تمام اذکار کی بیٹھک نماز کی بیٹھک ہے، کہ دونوں گھٹنے زمین پر رکھے ہوں، اور دونوں ہاتھوں سے گھٹنے کو پکڑے رہیں، ذکر سے فارغ ہو تو زور زور سے سانس نہ لیا کریں، بلکہ سانس کو روک کر تھوڑا تھوڑا چھوڑا کریں، تاکہ ذکر کی ساری حرارت یکدم نہ نکل جائے۔ جس قدر سانس بھی چھوڑیں تو ناک سے چھوڑیں۔ منہ بالکل نہ کھولیں۔ ذکر کی تعداد کم از کم پانسو مرتبہ ہے، اور زائد سے زائد تین ہزار بار جس قدر زائد کریں اسی قدر جلد مقصود تک رسائی ہو سکتی ہے۔ اوسط درجہ ایک ہزار مرتبہ ہے[۱]

خواجہ صاحبؒ نے ذکر فنا و بقا کے اور طریقے بھی بتائے ہیں، بہ نظر طوالت ہم انہیں ترک کرتے ہیں، مگر ذکر کے بعض مخصوص طریقوں کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

ز: ذکر کے اور مخصوص طریقے:

(۱) ذکر سہ رکنی: - پہلی ضرب دائیں جانب، دوسری ضرب بائیں جانب تیسری ضرب دل پر، اس کو ذکر سہ ضربی بھی کہتے ہیں۔

(۲) ذکر چہار رکنی: - پہلی ضرب دائیں طرف، دوسری بائیں طرف، تیسری سر کے اوپر کی طرف اور چوتھی دل پر لگائے، یہ ذکر چار ضربی بھی کہلاتا ہے۔

(۳) ذکر پنج رکنی: - پہلی ضرب دائیں طرف دوسری بائیں طرف، تیسری سر سے اوپر، چوتھی دل پر اور پانچویں آگے کی طرف نیچے کو اترتی ہوئی، یہ ذکر پنج ضربی ہے[۲]

(۴) ذکر ابدالی: "لا الٰہ" کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو اوپر کی طرف دراز کرے جیسے کہ انوار الٰہی کو پکڑتا ہے، اور پھر ہاتھوں کو منہ کے پاس لاکر الا اللہ کی ضرب لگائے، گویا کہ انوار الٰہی کو منہ میں رکھ لیا۔ اس ذکر میں پہلی ضرب کے ساتھ جھک کر آگے کو بڑھنا بھی چاہئے، اور دوسری ضرب کے وقت اپنی جگہ پر بیٹھ جائے[۳]

(۵) ذکر لا ھو الا ھو: - سر کو نیچے قلب کی طرف جھکا کر لا ھو کہتا ہوا دائیں مونڈھے کے اوپر لے جائے۔ اور خیال کرے کہ ماسوا اللہ کو دل سے نکال کر پس پشت پھینک دیا۔ پھر الا ھو کہہ کر دل پر ضرب

---

[۱] رسالہ اذکار چشتیہ ص ۱۴ [۲] ایضاً ص ۱۷ (۳) ایضاً ص ۲۰

لگائے اور ذاتِ احد کو دل میں ثابت کرے[۱]۔

(۶) ذکرِ حضرت شیخ فریدالدین:۔ حضرت گنج شکر یہ ذکر بکثرت کرتے تھے، دائیں طرف منہ کرکے "اِینہاں توں"، بائیں طرف منہ کرکے "اُونہاں توں"۔ سر کے اوپر نگاہ کرکے "اُونہاں توں" پھر دل پر یہ کہکر ضرب لگائے۔ اِینہاں توں[۲]۔

(۷) ذکرِ کشف ارواح:۔ اس ذکر سے ہر روح کا حال منکشف ہوجاتا ہے۔ خواہ وہ کسی شخص کی روح ہو، اور کہیں اس کا مزار ہو۔ ترکیب یہ ہے کہ جس طرح ذکر کے واسطے بیٹھتے ہیں، اسی طرح بیٹھ کر پہلے اکیس مرتبہ "یا رب" کہے، پھر آسمان کی طرف منہ کرکے کہے "یا روح" پھر دل پر ضرب لگائے "یا روحِ الرُّوحِ" کہتے ہوئے روح سے ملاقات ہوگی، جو چاہے دریافت کرے[۳]۔

(۸) ذکرِ کشفِ قبور:۔ جس صاحبِ قبر کا حال معلوم کرنا ہو اس ذکر کے ذریعہ ہوسکتا ہے، قبر کے قریب جاکر میت کے چہرے کے مقابل بیٹھے، اور آسمان کی طرف منہ کرکے کہے: "یا نور" پھر [illegible] کہہ کر دل پر ضرب لگائے، پھر تیسری ضرب "عن حالہ" کہہ کر قبر پر لگائے روح سامنے آجائے گی اور کل حالات معلوم ہوں گے جب اس ذکر کی اچھی طرح مشق ہوجاتی ہے تو قبر پر جانے کی ضرورت نہیں رہتی اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے بھی کشفِ ارواح ہوسکتا ہے[۴]۔

(۹) ذکرِ اجابتِ دعوت:۔ دعا قبول ہونے کے لئے دائیں طرف منہ کرکے کہے "یا قریب" بائیں طرف منہ کرکے "یا رقیب" اور دل کی طرف متوجہ ہوکر "یا محیط" اور اوپر منہ کرکے "یا مجیب"، یہ ذکر کثرت کے ساتھ کرنا چاہیئے، اور جب فارغ ہونے کا ارادہ کرے تو دل میں مقصد کا تصور جماکر گھٹنوں کے بل کھڑا ہوجائے، اور آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر دعا کرے قبول ہوگی[۵]۔

دعا کی قبولیت کے واسطے شیخ ابن عربیؒ سے منقول ہے کہ دائیں بائیں اور دل پر یا رب کی ضرب لگائے، اور آسمان کی طرف منہ کرکے کہے "یا ربی"

(۱۰) ذکرِ دفعِ امراض واسقام:۔ دائیں طرف "یا احد" بائیں طرف "یا صمد" اوپر کی طرف "یا وِتر" اور دل پر "یا فرد" کی ضرب لگائے[۶]

---

[۱] رسالہ اذکار چشتیہ ص ۹ [۲] ایضاً ص ۱۰ [۳] ایضاً ص ۱۰ [۴] ایضاً ص ۱۱ [۵] ایضاً ص ۱۱ [۶] ایضاً ص ۱۱

(۱۰) ذکر کشف ملکوت: اس میں کشف ارواح بھی ہو جاتا ہے اور فرشتے بھی نظر آتے ہیں اور گفتگو بھی کرتے ہیں۔ دائیں طرف کہے "سُبُّوحٌ" اور بائیں طرف "قُدُّوسٌ" پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے کہے "رَبُّ الْمَلَائِکَةِ وَالرُّوحِ"[۱]

(۱۲) ذکر مشی اقدام: اگر جلدی جلدی چل رہا ہو، تو ہر قدم کے اٹھاتے اور رکھتے وقت "الا اللہ" کہتا چلا جائے اور اگر متوسط چال سے چل رہا ہے تب ایک قدم کے رکھتے وقت "الا" اور دوسرا رکھنے پر "اللہ" کہے۔ اور اگر آہستگی سے چل رہا ہے تب دایاں پیر رکھنے کے وقت "لا" اور اور بائیں کے وقت "الہ" پھر دائیں کے وقت "الا" اور بائیں پر "اللہ" کہے۔[۱]

(۱۳) ذکر هندی:- جوگیوں کی نشست کی طرح چار زانو بیٹھے۔ اور آسمان کی طرف منہ کر کے "وُہی ہی" کم از کم ہزار بار کہے۔ اس ذکر کی کثرت سے ہوا میں اڑنے کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور تمام مکان ذاکر کے جسم سے بھر جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ فارغ ہو کر اپنی حالت میں واپس آئے۔[۱]

۱۲ (۲) فکر یا مراقبہ:- اب ہم وصول الی اللہ کے دوسرے طریقے فکر یا مراقبے کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

مراقبہ کے لغوی واصطلاحی معنی:-

مراقبہ کے لغوی معنی "اونٹ کی گردن پر سوار ہو کر یار کی جانب روانہ ہوتا ہے، اور اصطلاحِ سلوک میں دوست کے حضور میں گردن جھکا دینا۔ اور دوست کو نظر میں رکھنا ہے"[۲]

امام قشیریؒ کہتے ہیں کہ مراقبہ بندہ کا یہ علم ہے کہ اس کا رب اس کے حال پر مطلع ہے اور اس علم کا استدام ہی بندہ کا مراقبۂ رب ہے۔ اور یہ مراقبہ ہر خیر کی اصل ہے"، مراقبہ ماخوذ ہے "رقیب" سے اور رقیب کے معنی نگاہبان کے ہیں اس معنی کی رو سے مراقبہ دل کی غیر حق سے پاسبانی کرنا ہے۔ جیسا کہ کسی صوفی شاعر نے کہا ہے۔ سه

---

[۱] رسالہ اذکار چشتیہ صلا ۱۲ الفاصلہ ۱۲ [۲] الفاصلہ[۱] [۲] رسالہ مراقبہ از خواجہ سید محمد گیسو دراز دریا زدہ رسائل شائع کردہ سید عطا حسین صاحب، دیکھو ص۲۔

پاسبانِ دل شو اندر کلِ حال! تا نباشد ہیچ دزد آنجا مجال
ہر خیالِ غیرِ حق را دزد دان! ایں ریاضت سالکاں را فرض دان

۱) قرآنِ حکیم میں مراقبہ پر دلیل :

یہ امر کہ حق تعالیٰ ہمارے رقیب یا نگہبان ہیں، اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا۔ اور نیز اس آیت سے وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا۔ اور سورۂ فجر کی یہ آیت اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ صاف صاف ظاہر کرتی ہے کہ حق تعالیٰ انسانوں کی آنکھوں سے پوشیدہ رہ کر اس کے ذرہ ذرہ اعمال و افعال و حرکات سے واقف ہیں، کوئی حرکت و سکون ان سے مخفی نہیں، اسی معنی میں سورۂ رعد کی آیت ہے اَفَمَنْ ھُوَ قَآئِمٌ عَلٰی کُلِّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ ہر شخص کے ہر عمل کی ہر وقت نگرانی رکھتے ہیں، اور ایک لمحہ کسی سے غافل نہیں، اور آیت کریمہ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی تہدیدی طریقہ سے حق تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا علم دے رہی ہے اس باب میں قرآنِ کریم میں اور بہت سی آیتیں آئی ہیں۔

۲) احادیثِ نبوی میں مراقبہ کا حکم :

اب اگر ہم احادیث کی طرف توجہ کریں تو ہمیں سب سے پہلے حدیث طویل حضرت عمر بن خطابؓ ملتی ہے، کہ جب جبرئیل علیہ السلام نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اخبرنی عن الاحسان، تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان تعبد اللہ کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك (رواہ مسلم) یعنی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو خدا کو دیکھتا ہے اور اگر تو نہیں دیکھ سکتا تو خدا تجھے دیکھتا ہے۔

حدیث جندب بن جنادہ و معاذ بن جبلؓ میں فرمایا گیا۔

اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُ مَا کُنْتَ وَاتْبِعِ السَّیِّئَۃَ — اللہ سے ڈر تو جہاں کہیں ہو، اور برائی ہو جائے
(۱) الحسنۃ تمحہا وخالقِ الناس — تو فوراً نیکی کر کہ اس برائی کو محو کر دے

بخلق حسن (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن) اور لوگوں سے اچھے اخلاق سے پیش آ۔

اس حدیث میں مراقبہ ہی کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ ہر موقع پر خدا سے ڈرنا اور اس کے احکام کا خیال رکھنا مراقبہ ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا، آپ نے مجھ سے فرمایا۔

یا غلام احفظ اللہ یحفظك، احفظ اللہ تجدہ تجاھك الخ (رواہ احمد الترمذی) — اے لڑکے نگاہ رکھ اللہ کو وہ تجھ کو نگاہ رکھے گا حفظ کر اللہ کا اور تو اللہ کو سامنے پائے گا۔

دوسری روایت غیر ترمذی میں یہ الفاظ ہیں، تو نگاہ رکھ اللہ کو تو اسے اپنے روبرو پائے گا (تجدہ امامک)

۲: صوفیہ کے اقوال:

امام غزالی فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے ابن المبارک سے مراقبہ کے معنی دریافت کئے آپ نے فرمایا کن ابدًا کانك تری اللہ عز وجلّ۔ یعنی تو ہمیشہ کے لئے ایسا ہو جا کہ گویا تو اللہ عز وجل کو دیکھ رہا ہے۔ عبد الواحد بن زید نے کہا تھا۔

اذا کان سیدی رقیبا علیّ فما ابالی بغیرہ — جب میرا مالک میرا پاسبان و نگہبان ہے تو پھر مجھے کسی دوسرے کی پرواہ نہیں۔

ابن عطا سکندری کا قول ہے:

افضل الطاعات مراقبۃ الحق علی دوام الاوقات — بہترین طاعت دوام مراقبۂ حق ہے۔

دوام آگاہی، دوام توجہ الی اللہ یہ وہ نصب العین معلوم ہوتا ہے، جو صوفیا کرام اپنی زندگی میں حاصل کرنا چاہتے ہیں، خواجہ میر درد نے اس کو دلِ آگاہ سے تعبیر کیا ہے۔ جو ایک لحظہ بھی حق تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتا، اور ایسے ہی دل کی انہوں نے تمنا کی ہے، ؎

خلقے در جست و جوئے مال و جاہ است — جمعے بتلاش دلبر و دل خواہ است

ہر کس بخیال آرزوئے دارد	مائیم و تمنائے دل آگاہے

سہل نے کہا تھا:

لم یتزین القلب بشئ افضل ولا اشرف من علم العبد بان اللہ شاھدہ حیث کان!

قلب اس سے زیادہ شریف و افضل شے سے آراستہ نہیں ہوتا جتنا کہ بندہ کے اس علم سے کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے، وہ جہاں بھی ہو!

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ ای ذلك لمن راقب ربه عز وجل وحاسب نفسه وتزود لمعاد ہ یعنی یہ اس کے لئے جس نے اپنے رب کو پیش نظر رکھا اور اپنے نفس کا محاسبہ کیا، اور اپنی آخرت کے لئے زادِ راہ تیار کر لیا۔ اسی معنی میں ایک عرب شاعر نے کیا اچھا کہا ہے۔ ؎

اذا ما خلوت الدھر یوما فلا تقل	خلوتُ ولکن قلْ علیَّ رقیبُ
جب تو کسی روز خلوت میں ہو تو یہ نہ کہہ۔	کہ میں خلوت میں ہوں، بلکہ کہہ مجھ پر ایک نگہبان ہے
ولا تحسبن اللہ یغفل ساعۃً	ولا ان ما تخفیہ عنہ یغیب
اللہ کو ہرگز ایک لمحہ غافل نہ سمجھ۔	نہ یہ سمجھ کہ اس سے جو چیز تو چھپاتا ہے وہ مخفی ہے
الم تر ان الیوم اسرع ذاھب	وان غداً للناظرین قریب
کیا تو یہ نہیں دیکھتا کہ آج کا دن کس قدر تیزی سے جاتا ہے	اور کل کا دن دیکھنے والوں کے قریب ہے

عام زندگی میں مراقبہ کے اثرات کو واضح کرنے کے لئے اس واقعہ پر غور کرو، جو حضرت عبداللہ بن دینارؓ سے منقول ہے، آپ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطابؓ کے ہمراہ مکہ جا رہا تھا، ایک رات راہ میں ٹھہرنا پڑا، ہم نے دیکھا کہ ایک چرواہا پہاڑ پر سے اتر کر ہماری جانب آرہا ہے، حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کہ ایک بکری ہمارے ہاتھ بیچ دے، چرواہے نے کہا کہ بکریاں میری نہیں، میرے مالک کی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اپنے مالک سے کہہ دینا کہ بھیڑیا کھا گیا۔ اس نے کہا فاین اللہ؟ عمر رضی اللہ عنہ اس کا یہ جواب سن کر رو پڑے۔ صبح کو اس کے مالک کے ہاں جا کر اس کو خرید لیا اور آزاد کر دیا، اور فرمایا: "اس کلمے نے تجھ کو دنیا میں

آزاد کرادیا، مجھے امید ہے کہ یہی کلمہ تجھے آخرت میں بھی آزاد کرا دے گا!"

اسی قسم کی بات ہے جو سلیمان بن علی نے کسی سے کی تھی: "اگر تو خلوت میں گناہ کا ارتکاب کرے اور تجھے اس امر کا یقین بھی ہو کہ اللہ تجھے دیکھتا ہے تو تو نے واقعی ایک امر عظیم پر جرأت کی، اور اگر تجھ کو یہ گمان ہے کہ وہ تجھ کو نہیں دیکھتا ہے تو تو کافر ہو گیا!"

مراقبہ کے اقسام:

قرآن وسنت کی ان دلائل پر غور کرنے کے بعد یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مراقبہ کی حقیقت بس اتنی ہے کہ ہمیں رقیب (حق تعالیٰ) کا ملاحظہ ہے، اور ہماری توجہ اس کی طرف منصرف ہو جائے، مراقبہ دو طرح پر ہوتا ہے:

(۱) مقربین وصدیقین کا مراقبہ، یعنی حق تعالیٰ کے اجلال وتعظیم کے ملاحظہ میں قلب مستغرق ہو جائے، اور اس کی ہیبت قلب کو توڑ دے۔ اور اس کے نتیجہ کے طور پر التفات الی الغیر کی گنجائش نہ رہے۔ یہ مراقبہ قلب پر مقصور ہوتا ہے۔ اس کا اثر اعضاء وجوارح پر یہ ہوتا ہے کہ وہ مباحات کی طرف التفات کرنے سے معطل ہو جاتے ہیں، محظورات (حرام) شرعیہ کا کیا ذکر، اور ان سے طاعات پر جو حرکت سرزد ہوتی ہے اس کا وہی حال ہوتا ہے جو ان آلات کا جو کسی استعمال کرنے والے کے ہاتھ میں استعمال ہوتے ہیں، خود ان کا نہ ارادہ ہوتا ہے نہ تدبیر!

ان ہی کے متعلق کہا گیا ہے۔ ؎

آنانکہ بجز روئے تو نبینند نہ دانند
روشن نظرانند چہ روشن نظرانند

اور ان کی ضد کا حال یوں بیان ہوا ہے۔ ؎

آنانکہ بجز روئے تو جائے نگرانند
کوتہ نظرانند چہ کوتہ نظرانند

(۲) دوسرا مراقبہ اصحابِ یمین کا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو رقیب و ناظر ہونے کا کامل یقین رکھتے ہیں، لیکن ملاحظۂ جلال نے ان کو مدہوش نہیں کیا ہے، ان کے دل حد اعتدال پر قائم ہیں، اعمال و احوال کی طرف التفات کر سکتے ہیں، لیکن باوجود ممارستِ اعمال ان کے قلب مراقبہ سے خالی نہیں، ان پر "حیاء من اللہ" اس قدر غالب ہوتی ہے کہ گناہ کے قریب نہیں جاتے، اور حق تعالیٰ کو اپنے قریب پاتے ہیں، اور حق تعالیٰ کو اپنے حال پر واقف جانتے ہیں، اور یہی مراقبہ انہیں دنیا کی کسی لذت کا گرویدہ ہونے نہیں دیتا۔ ان ہی ایمان والوں کو اصطلاحِ صوفیاء میں اہلِ عشق، یا اہلِ جنون سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور ان ہی کے حال کا یہ شعر آئینہ دار ہے:

این ہمہ طمطراقِ کن فیکون! ذرۂ نیست پیشِ اہلِ جنون!

ہماری اس توضیح سے یہ بات بھی فوراً سمجھ میں آسکتی ہے کہ مراقبہ دراصل فکر کا دوسرا نام ہے، جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا، احفظ اللہ تجدہ تجاھك یا تجدہ امامك، تو یہاں حفظ، یا نگاہبانی سے مراد حق تعالیٰ کا تصور یا خیال یا دھیان ہی ہو سکتا ہے۔

فکر کی فضیلت میں شیخ جلال الدین سیوطی نے "جامع صغیر" میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

فکرۃُ ساعۃٍ خیرٌ من عبادۃِ ستین سنۃٍ — ایک ساعت کی فکر ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔

(رواہ ابو الشیخ فی العظمۃ عن ابو ہریرۃؓ)

عین العلم میں یہی حدیث ان الفاظ میں نقل کی گئی ہے:

تَفَکُّرُ سَاعَۃٍ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَۃِ سِتِّیْ سَنَۃٍ — ایک ساعت کی فکر ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے

اور حق تعالیٰ کے اس ارشاد میں:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (سورۂ آل عمران)

یتفکرون کا یذکرون کے بعد ذکر کرنا یہ ظاہر کر رہا ہے کہ مقامِ مدح میں فقرۂ ثانیہ فقرۂ اولیٰ سے ارفع و اعلیٰ ہے[۱]

[۱] مولانا قمر الدین صاحب مجددی نے نور الکرمیتین ص۱۲۶ میں یہ نکتہ پیش کیا ہے۔

صوفیۂ کرام اسی وجہ سے ذکر کی تلقین طالب و مبتدی کو کرتے ہیں اور بعد اذکار کی تعلیم کے طریقۂ مراقبات یا فکر ارشاد فرماتے ہیں، صوفیاء کے ہر خانوادہ میں ذکر کی طرح جدا جدا آیاتِ کریمہ کے مراقبات کرائے جاتے ہیں۔

حضرت خواجہ کے تعلیم کردہ مراقبات:

اب ہم اپنے خواجہؒ کے سلسلہ میں جن مراقبات کی تعلیم آئی ہے ان کی طرف توجہ کرتے ہیں، اس خصوص میں آپ نے ایک علیحدہ رسالہ ہی تصنیف کیا ہے۔ اور اس کو "مراقبہ" کا نام دیا ہے۔ ہم اسی رسالہ سے چند مراقبات کی تلخیص پیش کریں گے۔

(۱) **مراقبۂ حضوریت:** یہ پہلا مراقبہ ہے کہ ہم اپنی ذات کو دائم الحال حق تعالیٰ کے حضور میں سمجھیں، اور ان کو حاضر جانیں جیسا کہ نص کا مفہوم ہے۔ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی یعنی کیا وہ شخص (جو گناہ کرتا ہے) نہیں جانتا کہ خدا دیکھ رہا ہے۔ یہ وہ مراقبہ ہے جس کی تعلیم حدیثِ جبرئیل میں دی گئی ہے۔ تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ اس مراقبہ کو مراقبۂ حضوریت کہتے ہیں[۱]۔

(۲) **مراقبۂ قلبی:** وَھُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ یعنی وہی خدا ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے آسمان سے دل مراد لو اور زمین سے جسم کالبدی، اس طرح ہر وقت یہ سمجھو کہ وجودِ حق دل میں اور کالبُد دل میں ہے[۲] بدل حاضر فی الغدو والآصال علی التوالی والاتصال۔

(۳) **مراقبۂ قربت:** ہر وقت خدا کو اپنے نزدیک سمجھے، جیسا کہ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ سے مفہوم ہوتا ہے، حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے مع کل شی لا بمقارنۃ وغیر کل شی لا بمزائلۃ حق تعالیٰ ہر شئے کے ساتھ ہیں نہ باتصال۔ یعنی یہ قربت جسمانی قربت نہیں، کہ اتصال کا مفہوم پیدا ہو، اور وہ

---

[۱] رسالہ مراقبہ ص۲ [۲] ،، ص۳

ہر شے کا غیر ہے، نہ جسمانی معنی میں کہ انفصال کا خیال پیدا ہو۔ حق تعالیٰ کا قرب یا قربیت نصِ قطعی سے ثابت ہے۔ لیکن یہ قرب انسان کی عقل و فہم اور اس کے علوم و ادراکات سے ماوراء ہے، ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ قرب مکانی زمانی یا رتبی نہیں، بلکہ ذاتی قرب ہے بغیر اختلاط و حلول و اتحاد کے! اسی عارف کے یہ شعر نصوص قرآنی کی لطیف انداز میں توضیح ہیں۔

نحن اقرب از کتاب حق بخواں — نسبت خود را بحق نیکو داں
ہست حق از ما بما نزدیک تر — ما ز دوری گشتہ جویاں دربدر

(۴) **مراقبۂ معیت:** حق تعالیٰ کو دائماً اپنے ساتھ جاننا ہے۔ وَھُوَمَعَکُم اَیْنَمَا کُنْتُمْ اس مراقبہ کی طرف اشارہ ہے[1] یہ آیت معیت ذاتی پر محکم ہے اور قطعی الدلالت۔

(۵) **مراقبۂ احاطت:** یہ جاننا کہ حق تعالیٰ "در تمام ذات خود ذات غیر در گرفتہ است"، چنانچہ قولہ تعالیٰ وَاللّٰہُ مِنْ وَّرَآئِھِمْ مُّحِیْطٌ سے متبادر ہو رہا ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں: "خدائے تعالیٰ شامل در ہم ایشاں چوں آب در جامہ در تمام ذات خود را احاطت او بداند" احاطت حق بہ خلق ان دوسری آیتوں سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا (پ۵ ع ۱۵) اَلَآ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ (پ ۲۵ ع ۱) اللہ علم ہے جس کا مدلول ذات جامع جمیع صفات ہوتی ہے۔ نہ کوئی ایک خاص صفت جیسے علم یا ارادہ، ضمیر ہ کا مرجع بھی ذات ہے۔ لہذا یہ دونوں صریح نصوص حق تعالیٰ کی احاطت ذاتی پر قطعی دلالت کرتی ہیں جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں اس کا ثبوت حدیث دلو، اور دوسری صحیح حدیثوں سے ملتا ہے۔

(۶) **مراقبۂ افعال:** جس کی طرف اس آیت سے اشارہ ہے وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ[2]، ہر فعل کے صدور کے وقت خالق فعل کا مراقبہ رکھے۔

(۷) **مراقبۂ وسعت:** جس کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے۔ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ

---

[1] رسالہ مراقبہ ص ۲ [2] ایضاً ص ۳،۴

كُلَّ شَيْءٍ اور وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا شب و روز حق تعالیٰ کی رحمت و علم کی وسعت کا خیال رکھے۔ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا سے بھی یہی مفہوم متبادر ہوتا ہے۔[1]

(۸) مراقبۂ وجود:۔ أَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ۔ اس آیت کی تشریح خواجہ صاحب یوں فرماتے ہیں:۔ ہر جا کہ باشید پس آں جا ذات اللہ موجود است ہم در و مستغرق شود۔[2] اس مراقبے کو دوسرے صوفیہ نے مراقبۂ رویتِ مطلق کا نام دیا ہے۔

هو لا كيف و لا اين لـه

وهو فی كل النواحی لا يزول

(۹) مراقبۂ پیر:۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اطاعت پیر کے خیال میں رہے، مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ اس کی طرف اشارہ ہے، عین القضاۃ ہمدانی کا قول ہے، کہ مرید پیر کے دل میں خدا کو دیکھتا ہے، اور پیر مرید کے دل میں اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔[3]

(۱۰) مراقبۂ حاتم اصم:۔ جنت کو دائیں جانب اور دوزخ کو بائیں جانب، اور حق تعالیٰ کو حساب لینے والا تصور کرے "یہ مراقبہ ہے تو اچھا اگر مراقبہ نہیں ہے تشویش ہے"۔[4]

(۱۱) مراقبۂ خلا:۔ یعنی کسی وجود کو دل کے اندر نہ سمجھے، یہی مراقبۂ ہویّت صرفہ کا ہے۔ اور لا الٰہ الا ھو اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اس مراقبہ سے کام بہت آگے بڑھ جاتا ہے۔[5]

(۱۲) مراقبۂ کثرت:۔ یہ تصور کرے کہ اس کو لے جا رہے ہیں۔ اور سب سے بالاتر پہونچا رہے ہیں، کہ اعلیٰ علیین سے درگذرا، اور وہاں جا پہونچا کہ جہاں خود

---

[1] رسالہ مراقبہ ص۵۔ [2] ایضاً ص۵-۶۔ [3] ایضاً ص۶۔ [4] یہ لفظ خاتم نہیں جیسا کہ رسالہ میں لکھا ہے، بلکہ حاتم اصم ہے۔

[5] ایضاً ص۶۔ رسالہ میں کتابت کی غلطی سے مراقبہ خلا کی بجائے مراقبہ خدا لکھ دیا گیا ہے، اس رسالہ میں بے شمار غلطیاں ہیں، تصحیح کا کام اچھا نہیں ہوا۔

بھی نہ رہا۔

خواجہؒ کے رسالہ مراقبہ میں چھتیس مراقبوں کا ذکر ہے، ہم نے ان میں سے بارہ کا ذکر کیا ہے، باقی کے لئے اصل کتاب کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے۔ خاتمہ میں خواجہؒ نے مراقبہ کو "اعز المشاغل" یعنی تمام مشاغل سے زیادہ بزرگ قرار دیا ہے۔ (ص۵) مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ خلق کی طرف بالکل توجہ نہ کر صرف اپنے کام میں یک طرفہ ہو کر مشغول ہو جا۔ ؎

فارغ چہ بود ز خود گزشتیم
مارا نہ غمے نہ غم گسار[۱]ے

بہر حال جو سامنے آئے آئے تم اس طرف بالکل متوجہ نہ ہو، نہ دائیں طرف دیکھو نہ بائیں طرف، سیدھے منہ اٹھائے صراط مستقیم پر چلے چلو۔ ؎

در ہر دو جہاں ہرچہ شود، گو، شو، گو — وز دور زماں ہرچہ شود گو شو، گو
مشغول بحق باش و برا از دو کون — وز سود و زیاں ہرچہ شود گو شو گو

اس مراقبہ کو خواجہؒ نے "توجہ تام" کا بھی نام دیا ہے، اور اس کی تصریح یوں فرمائی ہے:

"توجہِ تام کہ خطرۂ غیر از خاطر تو منتفی شود و حضور وجود و شہودِ مطلب تصوراً و تحققاً[۲]"

(یعنی توجہِ تام یہ ہے کہ خطرۂ غیر اللہ دل سے فنا ہو جائے اور حضورِ وجودِ حق و شہودِ مقصود و مطلوب تصور میں متحقق ہو جائے۔ ع:۔

ترا ممکن چنیں دولت تو از بیدولتی غافل!

مراقبہ کی اس سے بہتر توضیح کیا ہو سکتی ہے۔

۱۴) (۳) رابطہ اور صحبتِ شیخ:۔ خواجہؒ کے سلوک کا تیسرا اصول صحبتِ شیخ یا رابطہ ہے، یہ وصول الی اللہ کا گویا تیسرا طریقہ ہے، مشائخ چشت[۳] کا اس طریقے سے متعلق قولِ فیصل یہ ہے:۔ "این طریق احکم و اساس کار او محکم است[۳]"

---

[۱] مکتوبات مطبوعہ عہد آفریں پریس حیدر آباد ۱۳۶۲ھ ص۳ [۲] ایضاً مکتوب پنجاہم ص۹۶-۹۷ [۳] کشکول کلیمی شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۸ھ ص۳۲

۱) احکامِ قرآنیہ:-

صحبتِ شیخ کا حکم قرآن حکیم کے احکام سے ماخوذ ہے، سورۂ کہف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔

اور روکے رکھ اپنے آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام اور طالب ہیں اس کی ذات کے۔

یعنی جو لوگ حق تعالیٰ کے دیدار اور خوشنودی حاصل کرنے کے شوق میں نہایت اخلاص کے ساتھ انتہا عبادت میں مشغول رہتے ہیں مثلاً ذکر، تلاوتِ قرآن اور نماز وغیرہ پر مداومت رکھتے ہیں، حلال و حرام میں تمیز کرتے ہیں۔ خالق و مخلوق دونوں کے حقوق پہچانتے ہیں، ایسے مومنین و مخلصین کو اپنی صحبت و مجالست سے مستفید کرتے رہئے۔ ظاہر ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں اہلِ خیر کی صحبت و مجالست و محبت کا حکم صاف طور پر واضح کر دیا گیا ہے۔ اور کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ میں تاکیدی طور پر اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی مفہوم کو یوں ادا کیا گیا ہے:

گر نہ توانی ز خود بریدن ! در پہلوے پہلوانِ ما باش !

احادیثِ نبویہ:

جو لوگ حق تعالیٰ ہی کی محبت کی خاطر آپس میں محبت رکھتے ہیں، اور ان ہی کی محبت کی خاطر آپس میں ملتے ہیں، اور ہم نشیں ہوتے ہیں اور آپس میں خرچ کرتے ہیں، ان کے حق میں زبانِ رسول سے بشارت دی گئی ہے کہ حق تعالیٰ ان سے محبت کرتے ہیں وہ حق تعالےٰ کے محبوب ہیں، چنانچہ معاذ بن جبل سے روایت کی گئی ہے:

سمعت رسول اللہ صلعم یقول قال اللہ تعالیٰ وجبت محبتی للمتحابین فیّ والمتجالسین فیّ والمتزاورین فیّ والمتباذلین فیّ (رواہ مالک)

یہاں محبت فی اللہ کو منجملہ اسبابِ محبتِ حق قرار دیا گیا ہے، یعنی جب کوئی شخص کسی شخص کو محض اللہ کے لئے محبوب رکھتا ہے۔ اور کوئی دوسری غرض اس محبت کی نہیں ہوتی تو یہ شخص اللہ کا محبوب ٹھہر جاتا ہے۔

ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جلیسِ صالح اور جلیسِ سوء کی مثال حاملِ مسک (خوشبو والے) اور نافخِ کیر (بھٹی پھونکنے والے) کی سی ہے حاملِ مشک یا تو تجھے کچھ عطا کرے گا، یا تو کچھ اس سے مول لے گا یا اس سے خوشبو ہی پائے گا اور بھٹی پھونکنے والا یا تو تیرے کپڑے جلائے گا، یا تو اس سے بدبو پائے گا (متفق علیہ)

یہ نفسیات کے اس کلی و ضروری قانون کا بیان ہے کہ صحبت کا اثر قلوب پر ہوتا ہے!

الصحبۃ موثرۃ ولو کانت ساعۃ (الحدیث)

ابو سعید خدریؓ کا قول مرفوعاً ہے :۔

لاتصاحب الامومنا و لا یاکل طعامك الاتقی (رواہ ابوداؤد والترمذی باسناد لاباس بہ) یعنی صرف مومن ہی کی صحبت اختیار کر اور تیرا کھانا صرف متقی ہی کھائے۔

اس حدیث میں صحبت غیر مومن سے نہی فرمائی ہے۔ ؎

نخست موعظتِ پیر دانش این سخن است
کہ از مصاحب ناجنس احتراز کنید

ابو ہریرہؓ کا لفظ رفعاً یوں پہونچا ہے کہ آدمی اپنے یار کے دین پر ہوتا ہے، اب تمہیں غور کرنا چاہیئے کہ تم کس کو اپنا دوست بناتے ہو۔ (رواہ الترمذی باسناد صحیح وقال حدیث حسن ابوداؤد) اسی طرح ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ المرء مع من احب (متفق علیہ) یعنی ہر محب اپنے محبوب کے ہمراہ ہوگا، اچھا ہو یا برا۔ انسؓ فرماتے ہیں، کہ ایک اعرابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کب ہوگی؟ فرمایا کہ تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ کہا حب اللہ و رسولہ، فرمایا:۔ انت مع من احببت (متفق علیہ وہذا لفظ مسلم) صحیحین کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ اعرابی نے کہا:۔

ما اعددتُ لھا من کثیرِ صومٍ ولا صلوٰۃٍ ولا صدقۃٍ ولکنّی اُحبُّ اللّٰہَ ورسولہٗ۔

یعنی میں نے قیامت کے لئے کثرتِ صوم و صلوٰۃ و صدقہ سے تیاری نہیں کی ہے، لیکن میں اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ محبت رکھتا ہوں۔

حضورؐ نے فرمایا، تو کل کے دن اسی کے ساتھ ہوگا، جس سے تو محبت رکھتا ہے[1]!

اقوال اکابرِ طریقت:

ان ہی ارشادات کو پیشِ نظر رکھ کر اور ان کی حقیقت سے وجدانًا واقف ہو کر اکابرِ طریقت قدس اللہ ارواحہم نے صحبت نیک کے اختیار کرنے اور بری صحبت سے پرہیز کرنے کی تاکید کی ہے، اور اس باب میں مبالغہ کیا ہے۔ حضرت فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں ؎

گر ترا عقل ست یا دانش قریں — باش درویش و بدرویشاں نشیں
ہم نشینی جز بدرویشاں مکن! — تا توانی غیبتِ ایشاں مکن
حب درویشاں کلیدِ جنت است — دشمنِ ایشاں سزائے لعنت است

مولانا رومؒ نے بھی اس بارے میں مبالغۂ تام سے کام لیا ہے ؎

صحبت مرداں اگر یک ساعت است — بہتر از صد چلہ و صد طاعت است

---

[1] اس حدیث سے حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ (وفات ۶۵۶ھ) کا استنباط قابل ذکر ہے۔ فرماتے ہیں:

"اس میں تیرا کیا نقصان ہے، کہ تو اللہ کا بندہ ہو، نہ علم ہو نہ عمل! تجھ کو علم سے اس قدر کافی ہے، کہ عالمِ وحدانیت ہو، اور عمل سے اتنا بس ہے کہ محبتِ خدا اور محبتِ رسول رکھتا ہو، اور دوست ہو تو صحابہؓ کا اور جماعت کو حق جانے، کما ورد فی الحدیث:۔ ما اعددت لھا من کثیر صوم ولا صلوٰۃ ولا صدقۃ ولکنی احب اللہ ورسولہ فرمایا رسول عربی صلعم نے:۔ المرء مع من احب۔

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء ! ! !
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا!

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا
او نشیند در حضور اولیا!
چوں شوی دور از حضورِ اولیا
در حقیقت گشتۂ دور از خدا

گر تو سنگ خارہ مر مر شوی
چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی
گر منی گندہ بود ہمچوں منی!
چوں بجاں پیوست گردد روشنی

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ "جاہل مسجد کی تو تعظیم کرتے ہیں، لیکن اہل دل کی دل آزاری کرتے ہیں۔ درحقیقت جو مسجد کہ اہل اللہ کے سینے میں قائم ہے وہی سب کی سجدہ گاہ ہے، اور وہیں حق تعالیٰ بھی ہیں، ظاہری مسجد کی تعظیم کرنے والے گدھو! حقیقی مسجد تو اہل اللہ کے سینوں ہی میں ہے"۔ ؎

جاہلاں تعظیم مسجد می کنند
در جفائے اہل دل جدمی کنند
مسجدے کاندرونِ اولیاست
سجدہ گاہِ جملہ است آنجا خداست
آں مجازست ایں حقیقت اے خراں!
نیست مسجد جز درونِ سروراں
صورتے کو فاخر و عالی بود
او ز بیت اللہ کے خالی بود!

اسی طرح مشائخ طریقت نے اہل اللہ کی عداوت سے بھی منع فرمایا ہے، اور ان کی دل شکنی اور دل آزاری سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔ حدیثِ قدسی میں آیا ہے،

من عادیٰ لی ولیا فقد اٰذنتہ بالحرب (بخاری)
یعنی جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میں اس کے خلاف جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔

گویا خدا کے ولی سے دشمنی خدا سے دشمنی ہے۔ فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ،
ابن منبہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

من اھان ولی المومن فقد استقبلنی
جس نے ولی مومن کی اہانت کی اس نے مجھے

بالمحاربۃ۔ جنگ کا چیلنج دیا۔

اسی معنی میں مولا روم نے فرمایا ہے۔ ؎

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد
تا دلِ صاحب دلے نامد بدرد

اور خواجۂ خواجگان خواجہ نقشبند نے فرمایا ہے۔ ؎

ما آبگینہ ایم شویم از شکست تیز!
آزار یابد آنکہ بود در شکستِ ما!

یعنی ہم شیشے کے مانند ہیں، ٹوٹنے سے اور تیز ہو جاتے ہیں، جو ہمیں توڑنے کے درپے ہوتا ہے وہ خود آزار یا تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔ اسی لئے کسی صوفی شاعر کی ہدایت ہے، کہ ؎

مشکن بحرفِ سخت دلِ اولیائے حق
پاسِ کبوترانِ حرم را نگاہ دار!

رابطہ کے معنی و مفہوم:

ان حقائق سے واقف ہو کر اب تم رابطہ کے مفہوم پر غور کرو 'رابطہ' کو 'واسطہ' اور 'برزخ' سے بجا تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کا ایک مفہوم تو یہی ہے کہ اپنے شیخ کے ساتھ جو فانی زخویش و باقی بحق ہے، جو 'ولی المومن' ہے پوری پوری ارادت و محبت ہو، اسکی صحبت میں ادبِ ظاہری و باطنی اور محبت و احترام کے ساتھ رہے، اور اس 'حاملِ مسک' سے فیوضِ ظاہری و باطنی حاصل کرے۔ اور اس کی خوشبو سے مشامِ جان کو معطر کرلے! عام قاعدہ بھی یہی ہے۔ ؎

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد
ہر کہ خود را دید او محروم شد!!

رابطہ کے دوسرے معنی اصطلاحی ہیں۔ اس معنی میں اکابر طریقت اپنے مرید کو

کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہماری صورت کو اپنے سامنے خیال کی مدد سے جمائے رکھو بعض کہتے ہیں کہ اپنی صورت کو ہماری صورت خیال کرو، بعض کہتے ہیں کہ ہماری شکل کو دل کے اندر خیال کرو، اور بعض کی ہدایت یہ ہوتی ہے کہ ہماری صورت کا خیال اپنے دونوں ابروؤں کے بیچ میں رکھو! حضرت جامیؒ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ کی غیبت میں اس کی صورت کو اپنے خیال میں جما کر قلب کی طرف متوجہ ہو۔

۱۶ کیا رابطہ میں شرک مضمر ہے؟:

رابطہ کے اس معنی کو سن کر پہلا اعتراض جو قلب میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ غیر اللہ کا یہ خیال شرک تو نہیں! غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی وقت شرک قرار دیا جا سکتا ہے جب کوئی جاہل یہ خیال کرے کہ اس کا شیخ ہر وقت حاضر و ناظر ہے۔ لیکن کسی شیخ طریقت نے ایسی تلقین نہیں کی! فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ! حاضر و ناظر ہر وقت و ہر آن تو صرف حق تعالیٰ ہی ہیں۔ ایک عظیم الشان مصلحت کی خاطر صورتِ شیخ کو خیال میں رکھنا اگر شرک قرار دیا جائے تو پھر ہر شخص کے مرتبۂ خیال میں ہزاروں چیزیں جو اس کے حواس سے غائب ہیں تمثالاتِ خیالی کے طور پر حاضر رہتی ہیں، ان سب کا خیال اس کو مشرک بنا سکتا ہے! تخیل کی نفسیات سے ہر شخص وجداناً واقف ہے کہ جب اس کے ذہن میں کسی محبوب کا خیال آتا ہے، دل میں سرور پیدا ہوتا ہے، اور جب کسی دشمن کا خیال آتا ہے تو غم و غصہ اور حرارت پیدا ہوتی ہے۔ رومیؒ نے اس راز کو اس طرح بیان کیا ہے۔ ؎

اے برادر تو ہمیں اندیشہٗ ۔۔۔ مابقی استخوان و ریشہٗ
گرگل است اندیشۂ تو گلشنی! ! ۔۔۔ در بود خارے تو ہمہ گلخنی !

یعنی انسان کی حقیقت فکر ہے، اس کے سوا جو کچھ اس میں ہے، ہڈی و چمڑا ہے، اب اگر یہ فکر پھول سے متعلق ہو جائے تو وہ خود بھی گلشنِ سر سبز و شاداب ہو جاتا ہے، اور اگر اس کا معروض فکر خار ہو تو وہ بھٹی بن جاتا ہے، اور "سوختم و سوختم و سوختم" اس کا نعرۂ زار!

جامیؒ سامی نے بھی اس رباعی میں اسی مفہوم کو ادا کیا ہے۔ ؎

گر در دلِ تو گل گزرد گل باشی ! در طبل بے قرار بلبل باشی ! !
تو جزوی و حق کل، گر روزے چند اندیشۂ کل پیشہ کنی کل باشی !

اسی طرح اولیاء اللہ کا خیال حق تعالیٰ کی محبت کے جذبات کو دل میں پیدا کرتا ہے اور اسکی یاد کو تازہ کرتا ہے جیساکہ لسانِ نبوت نے بھی اسی راز کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اولیاء اللہ کے دیکھنے سے خدا یاد آجاتا ہے خیارکم الذین اذا رُؤا ذُکِرَ اللہ عزَّ وجلَّ (رواہ ابن ماجہ فی الزہد)

اہل اللہ کا دیکھنا اور ان کا تصور کرنا کارِ خیر ہے، عبادت ہے، ہمارے اس دعوے کی تائید احادیثِ نبویؐ سے ہوتی ہے، ہمارے دلائل یہ ہیں:

طبرانی اور حاکم نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے:۔ النظر الی وجہ علیؓ عبادۃٌ (کذا فی صواعق المحرقہ، وازالۃ الخفا وکنوز الحقائق والجامع الصغیر)

شاہ عبدالعزیزؒ نے تفسیر والشمس میں کئی احادیث نقل کی ہیں:۔ النظر الی الکعبۃ عبادۃٌ (کما فی الجامع الصغیر وکنوز الحقائق) اسی طرح النظر الی وجہ العالم عبادۃ (کذا فی کنوز الحقائق) اور مشکوٰۃ کے باب البر والصلۃ میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے:

ان رسول اللہ صلعم قال:۔ مَامِنْ وَلَدٍ بَارٍّ یَنْظُرُ اِلٰی والدیہ نظرۃَ رحمۃٍ الا کتب اللہ لہ بکل نظرۃٍ حجۃً مبرورۃً قالوا ان نظر کل یوم مائۃ مرۃٍ؟ قال نعم اللہ اکبر واطیب۔

نہیں کوئی فرزند نیک جو اپنے ماں باپ کی طرف نظر رحم کرے، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کی ہر نظر کے عوض ایک حج کامل مقبول کا ثواب لکھتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اگر وہ ہر روز سو بار نظر کرے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ ہاں اللہ تعالیٰ زیادہ بزرگ و زیادہ پاک ہیں۔

ایک آخری حدیث اس سلسلہ میں اور پیش کی جاتی ہے:۔ جو گذشتہ احادیث کی جامع بھی ہے اور مزید ابواب کو بھی پیش کرتی ہے۔

قال رسول اللہ صلعم: خمس من النظر عبادۃ: النظر الی الوالدین عبادۃ والنظر الی زمزم عبادۃ، والنظر الی المصحف عبادۃ، والنظر الی

پانچ چیزیں دیکھنا عبادت ہے:۔ والدین کی طرف دیکھنا عبادت ہے، زمزم کی طرف دیکھنا عبادت ہے، مصحف کی طرف دیکھنا عبادت ہے، کعبہ

الکعبۃ عبادۃ، والنظر الی العالم — کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔ اور عالم
عبادۃ (فی الروضۃ العلماء الزندویسی عن مکحول — کی طرف دیکھنا عبادت ہے
الشامی وکذا فی العقد الثمین فی فضائل البلد الامین
عن الفاکہی)

جب دیکھنا جو ایک عملِ حسی ہے، عبادت ہے تو یہ تصور جو ایک عمل ذہنی ہے، عبادت نہیں قرار دیا جائے گا؟ اتنے قوی منطقی استنباط میں کیا کوئی بھی مغالطہ پنہاں سمجھا جاسکتا ہے؟ یہ استنباط مغالطہ ہے تو بیشمار احکام کے اپنے اصل سے استنباطات سارے ہی غلط قرار پائیں گے، اور دین کی عمارت میں زلزلہ آجائے گا!

اگر متشکک کی مرضیاتی ذہنیت کو حق مان لیا جائے تو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس عمل کو بھی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل شریف کو بکمال محبت و تعظیم خیال میں محفوظ رکھ کر بیان فرماتے رہے ہیں، جو کتب صحاح اور شمائل ترمذی وغیرہ میں مندرج ہیں، ایک شرکی عمل قرار دینا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کا خیال رہتا تھا، اور سالہا سال بعد بھی ان کے بیانِ شمائل میں سرِمو تفاوت نہ ہوتا تھا، اور انہیں یہ خیال کیوں نہ رہے، وہ اپنے محبوب کے سچے عاشق تھے اور عاشق اپنے محبوب کے تصور کو ایک دم کے لئے نہیں بھول سکتا۔ ؎

دانی کہ مرا یار چہ گفت است امروز
جز با یکسے در منگر دیدہ بدوز!!

یہاں پر یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اکابرِ طریقت قدس اللہ اسرارہم نے اپنی ذات کو عینک کے شیشہ کی طرح صاف اور خالی تصور کیا ہے۔ یہ شیشہ تجلیاتِ ربانی کو منعکس کرتا ہے، کمالاتِ ربانی کی نمائندگی کرتا ہے۔ مریدِ مبتدی کی مثال ضعفِ بصر کے مریض کی سی ہے جن کا دیدۂ باطن مرشدِ روشن ضمیر کی عینک کے بغیر منور نہیں ہوسکتا، جوں ہی مرید نے اپنے شیخِ کامل کا تصور کیا، اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے ایک قوی آئینہ رکھا، اور اس کا دیدۂ باطن بھی حق تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف متوجہ ہوگیا۔ تمام خطرات غیر اللہ سے اس کا قلب آزاد

ہو گیا اور آفتابِ احدیت پر اس کی نظر جم گئی، جس طرح کہ ہم کسی دور کی چیز کو ایک قوی دوربین کے ذریعہ دیکھتے ہیں تو دراصل ملحوظ نظر یہی دور کی شے ہے، دوربین کا آئینہ نہیں، آئینہ درمیان میں ضرور ہے لیکن وہ ملحوظ نہیں۔ اسی مفہوم کو ایک دوسری طرح امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے یوں لکھا ہے:

"رابطہ را چرا نفی کنند کہ او مسجود الیہ است نہ مسجود لہ، چرا محاریب و مساجد را نفی کنند"[1]

یعنی جس طرح صف اول کے مصلیوں کے لئے امام، دیوار مسجد، اور صف ثانی کے لئے صف اول، دیوار مسجد اور امام مسجود الیہ ہیں، اسی طرح رابطہ یا صورت شیخ مسجود الیہ ہے، درحقیقت مسجود لہ تو معبود حقیقی ہی ہے، سجدہ دیوار مسجد کی طرف کیا جاتا ہے، دیوار مسجد کو نہیں کیا جاتا، یہ مسجود الیہ ہیں مسجود لہ نہیں، اسی بنا پر امام ربانی جلد دوم میں ایک سوال کے جواب میں کہ "تصور مرشد کہ عند الصوفیہ معمول است درست است یا نہ" لکھا ہے کہ "جائز است، اکابر بہ نیت پاک ایں عمل کردہ اند"

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے قول الجمیل میں رابطہ کی حقیقت اس طرح بیان فرمائی ہے اور اس کے فلسفہ کو خوب واضح کیا ہے:

وقالوا الركن الاعظم ربط القلب بالشيخ على وصف المحبة والتعظيم وملاحظة صورته، قلت ان لله مظاهر كثيرة فما من عابد غبيا كان او ذكيا الا وقد ظهر بحذائه صار معبودا له فى مرتبته ولهذا السر نزل الشرع باستقبال القبلة والاستواء

مشائخ چشتیہ نے فرمایا ہے کہ رکن اعظم ربطِ قلب بشیخ ہے، محبت و تعظیم کے ساتھ اور اس کی صورت کا لاحظہ کرنا ہے، میں کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ کے مظاہر کثیر ہیں اور کوئی عابد ایسا نہیں خواہ ذکی ہو یا غبی جس کے مقابل یہ اسکے حسب مرتبہ ظاہر ہو کر اس کا معبود نہ ہو گیا ہو، یہی راز ہے کہ شرع میں رو بقبلہ ہونا، اور استواء علی العرش نازل ہوا ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] مکتوبات، مطبوعہ مطبع احمدی، دہلی ۱۲۸۸ھ جلد دوم، مکتوب ۲۴ ص ۱۴۹

على العرش، وقال رسول الله صلى الله
عليه وسلم اذا صلى احدكم فلا يبصق
قبل وجهه فان الله تعالى بينه و بين قبلته
وسأل جارية سوداء فقال اين الله
فاشارت الى السماء نسألها من انا
فاشارت باصبعها تعنى الله ارسلك
فقال هى مومنة، فلا عليك ان لا تتوجه
الا الى الله ولا تربط قلبك الا به ولو
بالتوجه الى العرش وتصور النور الذى
وضعه عليه وهو ازهى الالوان كمثل
لون القمر او بالتوجه الى القبلة كما اشار
اليه النبى صلى الله عليه وسلم . فيكون
كالمراقبة لهذا الحديث[1]

فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے منہ کے سامنے
نہ تھوکے کیونکہ حق تعالیٰ اس کے اور قبلہ کے درمیان
ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کالی
لونڈی سے پوچھا کہ اللہ کہاں ہے؟ تو اس نے آسمان
کی طرف اشارہ کیا، پھر آپؐ نے اس سے پوچھا کہ میں
کون ہوں تو اس نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا، اسکی
مراد یہ تھی کہ اللہ نے آپؐ کو بھیجا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ
یہ مومنہ ہے، اے سالک اس میں کچھ مضائقہ نہیں
کہ تو اللہ ہی کی طرف متوجہ ہو اور اپنا دل اس سے لگائے اگر
عرش کی طرف متوجہ ہو کر یا اس نور کا تصور کر کے جسکو حق تعالیٰ
نے عرش پر رکھا ہے اور وہ چاند کے رنگ کی طرح نہایت روشن
رنگ ہے یا قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی
طرف اشارہ کیا ہے تو گویا یہ اس حدیث کا مراقبہ ہے

شاہ صاحب کے بیان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح قبلہ، عرش یا لوازم سجود الیہ ہیں مسجود لہ نہیں اسی طرح تصور شیخ بھی مسجود الیہ ہے، کسی معنی میں مسجود لہ نہیں، توجہ حق تعالیٰ ہی کی طرف ہو، قلب کا ربط ان ہی سے ہو، اور تصور شیخ محض واسطہ یا برزخ ہو، دوربین کا آئینہ ہو جسکے ذریعہ مطلوب پر نظر کی جاتی ہے، اسی نکتہ کو ہمارے خواجہؒ نے خاتمہ میں یوں پیش کیا ہے:

"مرید پیر را ہمچو شیشۂ صافی و شفافی تصور کند و انوار قدس را در ورائے آں شیشہ آں چنانکہ آں انوار درونِ شیشہ نماید، ہر بار کہ مرید پیر را بیند داند کہ نور قدسی بر وے تجلی کردہ است و ایں عکس اوست و من در نظارہ آنم"[2]

---

[1] شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل مطبوعہ مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۱ھ ص۴۹-۵۰ شفاء العلیل میں متن عربی دے کر ترجمہ کیا گیا ہے، ہم نے ترجمہ کی زبان بدل دی ہے۔ [2] خاتمہ از سید محمد حسینی گیسو دراز خواجہ بندہ نواز ص۱۱۱ فقرہ ۱۸۸۔

تصور شیخ میں کیا مصلحتیں پوشیدہ ہیں ان کی کچھ تفصیل ہمارے خواجہؒ ہی کے الفاظ میں سنو:۔

"آدمی بن دیکھی چیز کا تصور مشکل سے کرسکتا ہے۔ شیخ کی صورت اس کی دیکھی بھالی ہوتی ہے، اس کا تصور ممکن ہے، اور جلد یہ بات حاصل ہوجاتی ہے، اسی طرح جب دل جمعی پیدا ہوئی تو مرید آسانی سے ترقی کرسکتا ہے، تصور شیخ میں جو بات پیدا ہوتی ہے، وہ گو مراقبہ کرنے پر بھی حاصل ہوتی ہے لیکن پیر و مرشد کی حضور میں ہر وقت اپنے تئیں تصور کرنے میں ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اتفاق سے کبھی کبھی دونوں کے قلوب ایک دوسرے کے آمنے سامنے آجایا کرتے ہیں، اور محاذات ٹھیک بیٹھ جاتا ہے، پھر پیر کے قلب سے مرید کو براہِ قلب فیض پہونچتا ہے، اور وہی ایسا فیض کہ جو کچھ پیر نے ریاضتوں میں حاصل کیا تھا، وہ مرید کو باوجود گوناگوں گرفتاریوں کے بآسانی حاصل ہوجاتا ہے، بڑا فضل عظیم و کمال جسیم ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ آفتاب کا عکس اس پانی پر پڑ رہا ہے جو اسکے محاذی ہے۔ اس پانی کے سامنے ایک دیوار ہے، اس پر بھی یہ عکس پانی پر سے چمک کر پڑ رہا ہے، جیسے عکس کا عکس کہنا چاہیے، یہی حال مرید کے قلب پر عکس پڑنے کا ہے، جو کچھ پیر نے ساری عمر میں طرح طرح کی محنت و مشقت سے کمایا تھا طالب کو پہلے ہی قدم میں حاصل ہوجاتا ہے۔ یہ نعمت قلم و زبان سے بیان نہیں ہوسکتی۔ طالب کو جب اس کا ادراک ہوتا ہے تو خود اس چیز کو معلوم کرلیتا ہے جو پہلے یہاں اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا[1]

ہمارے خواجہؒ تصور شیخ کی ترکیب یہ بتلاتے ہیں۔ " اپنے آپ کو شیخ کے روبرو انکی مجلس میں حاضر تصور کرے، یا اپنے دل میں شیخ کا خیال جمائے، یا اپنے آپ کو ہمہ تن شیخ سمجھے

(خاتمہ فقرہ ۹۹ ص ۶۶)

اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ کام خاص نیک بختوں کا ہے " ایں مراقبہ نیست، ایں مشاہدہ نیست، ایں مکاشفہ نیست، ایں معائنہ ایست، یعنی عین بعین[2] (ایضاً)

---

[1] مکتوبات، مکتوب ۱۲۔ اردو خلاصہ جو اوپر پیش ہوا، فوائد حضرت بندہ نواز ص ۳۵ و ۳۶ سے ماخوذ ہے، جسکو نواب معشوق یار جنگ نے مرتب کیا ہے، مطبوعہ نظامی پریس حیدر آباد دکن

[2] مشاہدہ دیدن و بلکسے در جائے حاضر بودن است و معائنہ روبرو چیزے را دیدن است، در اصطلاح صوفیہ مشاہدہ عبارت از دیدن سالک ذات بے کیف را در پردہ تجلیات اسماء و صفات است و معائنہ عبارت از دیدن حضرت حق سبحانہ تعالیٰ بے پردہ و حجاباً است۔ (باقی حاشیہ صفحہ ...)

خواجہ صاحبؒ نماز تک میں پیر کے مراقبہ کی اجازت دیتے ہیں :

"مرید در نماز مراقبۂ پیر کند، تصور او در راستا و چپا باشد۔ بداند کہ پیر یکے از دو طرف او حاضر است،

یا او را امام تصور کند یا خود در ابین یدیہ داند (ص ۱۲۲ فقرہ ۲۱۸)

" و اگر موضع سجدہ گاہ پیر را تصور کند یا او را حاضر و شاہد یا بد کارے باشد،" (")

یاد رہے کہ سجدہ شیخ کو نہیں کیا جا رہا ہے، وہ مسجود لہ ہرگز نہیں، مسجود لہ صرف حق تعالیٰ ہیں، انما الاعمال بالنیات کا یہاں تحضر ضرور ہے، جو بے جا خدشوں کو رفع کرتا ہے۔ ۱ھ

یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ تصور شیخ میں افراط و تفریط منجر بہ ضلالت ہے، خصوصاً زمانہ حاضرہ کے غلبۂ جہل اور ظاہر بینی کی وجہ سے اس سے بہت سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں، اس لئے بعض محتاط صوفیوں نے اس سے منع فرمایا ہے، اور بجا طور پر منع فرمایا ہے، اس سلسلے میں یاد رکھنا ضروری ہے کہ رابطہ اس شخص کا فائدہ مند ہوتا ہے جو فنائے تام اور بقائے کامل سے مشرف ہو۔ بالفاظ دیگر جو فانی از خویش و باقی بحق ہو۔ یا اپنی قیومیت ذاتیہ سے فانی اور حق تعالیٰ کی قیومیت سے باقی ہو، "مستخلص از طبع و متصل بحقیقۃ الحقائق" ہو، ظاہر ہے کہ ایسا شیخ اب کبریت احمر کا حکم رکھتا ہے، لیکن دنیا خاصانِ حق سے بالکل خالی بھی نہیں! جو شیخ فنا و بقا سے مشرف نہیں، اس کا رابطہ طالب کو قطعاً نقصان پہونچاتا ہے، جو خیالات ناقص شیخ ناقص کے دل پر وارد ہوتے ہیں، ان کے اثر سے طالب صادق کا دل خراب ہو جاتا ہے، لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ اگر شیخ حقیقت میں اپنی قیومیتِ ذاتیہ سے فانی ہو کر قیومیت الٰہیہ سے قائم ہو گیا ہے تو اقسام رابطہ سے جس قسم کی تعلیم چاہے دے سکتا ہے، ورنہ انصاف کو کام میں لا کر، مواخذہ الٰہی سے ڈر کر اس کو اس کی جرأت نہ کرنی چاہئے اور طالب مبتدی کو اس کے مناسب حال اقسام ذکر سے کوئی ذکر تعلیم کرنا چاہئے، صرف اس کی محبت، اور صحبت مرید کو فائدہ مند ہو گی، کیونکہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے دعا

بقیہ حاشیہ ص۱۰۸ : مخفی نماند کہ معائنہ را بمعنا مراد دارید: المعائنۃ رویۃ اللہ بلا حجاب وھو الفناء جمیع تقدیر دیدن اینجا بمعنی نابودن است، چرا کہ حق مطلق را بے قید تعین دیدن نتوان، پس حضرت حق سبحانہ تعالیٰ را عیاں دیدن بے تعین بطریق مجاز باشد نہ حقیقت" ۱ھ

فرمائی تھی۔

اللھم ارزقنی حبك وحب من احبك وحب ما یقربنی الی حبك۔ — الٰہی محبت عطا کر مجھے اپنی اور ان کی جو تجھ سے محبت کرتے ہیں اور اس عمل کی بھی جس سے تیری محبت نصیب ہوتی ہے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صالحین سے اللہ کے واسطے محبت رکھنا نہایت ضروری ہے اور اسی محبت کی وجہ سے فردائے قیامت محبوب کی معیت بھی حاصل ہوتی ہے، چنانچہ حضرت انس نے حدیث المرء مع من احب کی روایت کے بعد فرمایا کہ فما رأیت المسلمین فرحوا بشیئ بعد الاسلام فرحھم بذالك یعنی اس حدیث کو سن کر مسلمان اتنے خوش ہوئے کہ اسلام لانے کے بعد ان کو اتنی خوشی کسی شے سے نہیں ہوئی تھی، اس معنی میں رابطہ مرشد بہرحال مفید ہے، گو رابطہ کے دوسرے معنی کے سلسلہ میں مذکورہ بالا احتیاط کی ضرورت صاف نظر آتی ہے۔

۷۔ تلخیص:

ہمارے خواجہ نے فرمایا کہ "اصل خلقت اور راس حکمت حق تعالیٰ کی محبت و معرفت ہے[1]" نیز آپ کا ارشاد ہے "تمام شیوخ رضی اللہ عنہم بالتثبت والرسوخ علی الاجتماع والاتفاق کہہ چکے ہیں کہ اجمل مطالب و اجل مقاصد محبت و معرفت خداوندی ہے" [2]

اس غایت قصویٰ و وردۂ علیا تک پہونچ تین طریقوں سے ہوسکتی ہے، ذکر، فکر، رابطۂ شیخ، اس مقالہ میں ان ہی کی توضیح اجمالی طور پر کی گئی ہے، اور سلوک الی اللہ کا نقشہ پیش کیا گیا، واصلین حق سے معلوم ہوتا ہے کہ سلوک کا انجام الفناء فی اللہ والبقاء بہ ہے لیکن یہ مرتبہ بھی ولایت خاصہ کے درجات میں پہلا درجہ ہے، اور سیر الی اللہ کا منتہا ہے[3] اور سیر فی اللہ کا مبدا[4]۔ سیر فی اللہ کے عجائب کی تو کوئی حد و نہایت نہیں۔ سیر الی اللہ کی شرط بحکم سنت الٰہی "جذبہ" ہے، یہ ضروری نہیں کہ جیسے علی القطع

---

[1] اسرار الاسرار صفحہ ۱۶۱ دیکھو اوپر صفحہ ۔ [2] ایضاً صفحہ ۱۳ دیکھو اوپر صفحہ ۵ [3] سیر الی اللہ سے مراد سالک کی وہ سیر ہے جو منازل نفس سے افق مبین تک ہوتی ہے جو نہایت مقام قلب ہے۔ اور تجلیات کا مبداء ہے، اس کو سیر من الخلق الی الحق بھی کہتے ہیں۔ [4] سیر فی اللہ سے مراد متصف ہونا ہے سالک کا حق تعالیٰ کے صفات سے۔

طلب کیا، پایا جس نے سلوک کیا وہ اپنے مقصد تک پہونچ گیا، سے

نہ ہر صدف کہ فرو خورد قطرۂ باراں — درونِ سینۂ او گشت جائے دُر دانہ

صدف بباید و باران و بحر و چندیں سال — ہنوز نیست محقق کہ می شود دُر یانہ

حصولِ مقصد تو عطائے رب ہے "ایں سعادت بزور بازو نیست" یہ "نہ بزاری نہ بزورے نہ بزر می آید"

غواصاں را اگر چہ سیمے نبود — در ہر صدفے درِ یتیمے نبود!

در عمر بنادر انچناں می افتد! — ویں دولت بہر سیہ گلیمے نبود

سیر فی اللہ کو "مقامِ وصول" کہتے ہیں، "سیر الی اللہ" عاشق کی سیر ہے معشوق میں، "سیر فی اللہ" معشوق کی سیر ہے عاشق میں! اس سعادت کا حصول صفاتِ بشریت کے فنا ہو جانے اور بے اختیاری حقیقی کے پیدا ہونے پر موقوف ہے۔ دو عالم میں سوائے حق تعالیٰ کے نہ کوئی مطلوب رہے نہ محبوب! جیسا کہ سید الطائفہ جنید بغدادیؒ نے کہا تھا۔ الاتصال بالحق بقدر الانفصال عن الخلق احدیث اجمعوا وضوءکم جمع اللہ شملکم میں بھی اشارہ ہے اسی استقامتِ باطن کی طرف اور استقامت باطن سے مراد یہی ہے، کہ تمام روحانی و جسمانی تعلقات کی نفی ہو جائے، اور حق تعالےٰ کے سوا کسی شے سے حسی، یا علمی تعلق باقی نہ رہے، ان تعلقات کی نفی استقامتِ احوال پیدا کرتی ہے استقامت احوال کی دلیل استقامت افعال ہے، جو حق تعالیٰ کے امر و نہی کا امتثال ہے، اور ان کے فرمان کی تعظیم ہے! استقامتِ افعال کے بغیر استقامت احوال ممکن نہیں، سالکِ طریقت کے لئے "روش" "کوشش" دونوں ضروری ہیں، تاکہ اس کا مقصود حاصل ہو، "روش" سے مراد اہل اللہ و شیخ کے ادب کی رعایت ہے، او "کوشش" سے مراد حق تعالیٰ کے اوامر و نواہی کا امتثال ہے، اور جو کچھ معلوم ہے، اس پر عمل کرنا ہے۔

اہل بصیرت رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے کہ تمام عبادتوں کا مقصود ذکر الٰہی ہے، اور ذکر دوام ہی سے حق تعالیٰ سے انس و محبت پیدا ہوتی ہے۔ اصل مسلمانی کلمہ لا الہ الا اللہ ہے اور یہ عین ذکر ہے، اور دوسری تمام عبادتیں اسی ذکر کی تاکید ہیں، نماز کی روح کیا ہے؟ دل میں حق تعالیٰ کا ذکر بسبیل ہیبت و تعظیم تازہ کرنا۔ روزے کا مقصود شہوتوں کا توڑنا ہے، کیونکہ جب دل شہوتوں کی مزاحمت سے نجات پاتا ہے تو صاف ہو جاتا ہے، اور ذکر کی قرار گاہ بن جاتا ہے، حج کا مقصود رب البیت کا ذکر

اور اس کی لقا کا شوق ہے۔ ترک دنیا و ترک شہوات بھی ذکر کے لئے فراغت حاصل کرنے ہی کی خاطر ہیں
امر و نہی کا مقصود بھی ذکر ہے۔ اور ذکر کی حقیقت یہ ہے کہ تمام چیزوں سے ٹوٹ کر حق تعالیٰ کی طرف
راغب ہو جائے بفحوائے "وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً" حق تعالیٰ کی محبت اس قدر غالب ہو جائے کہ کسی دوسری
چیز کی طرف التفات نہ رہے۔ اور ان کے سوا کوئی معبود، محبوب و مطلوب باقی نہ رہے۔ حقیقتِ ذکر کی
علامت یہ ہے کہ امر و نہی کے وقت خدائے عزوجل کو بھول نہ جائے۔ اور اس کا حکم بجا لائے۔
شیخ عطار قدس سرہ نے ذکر کی اس اہمیت کے پیش نظر فرمایا تھا۔ سہ

یادِ او مغزِ ہمہ سرمایہ است — ذکر او ارواح را پیرایہ است
تو ز ننگِ خویش نگذشتی دمے — بر تہور نامِ او گوئی ہمے !!

ذکر کی حقیقت اسی مرد کو حاصل ہو سکتی ہے، جس کی صفت یہ ہو "سیر آمدہ از خویشتن" و "برخاستہ
زجان و تن"، اِس ایسے ہی مرد کی ضرورت ہے۔ سہ

سیر آمدہ ز خویشتن می باید !
برخاستہ زجان و تن می باید !

ذکر سے کلی طور پر فائدہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے کہ جب اس کو کسی شیخ کامل صاحب تصرف
سے حاصل کیا جائے یہیں پہ شیخ کامل کی ضرورت ہے، کیونکہ کلمہ کی نورانیت بقدر نورانیتِ دل ہے
اور نورانیت دل بقدر زوال ہوئی ہے، شیخ کامل متبع ہوئی نہیں ہوتا۔ اور اس کے دل میں نورانیت
کامل ہوتی ہے۔ اس کی توجہ اور محبت سے مرید کے قلب کی زمین، طبیعت کے خار و خاشاک سے پاک
ہو جاتی ہے۔ اور اس قابل ہو جاتی ہے کہ تخمِ ذکر اس میں ڈالا جائے۔ اب ذکر و مراقبہ سے بتدریج
تصفیۂ قلب اپنے کمال کو پہونچ جاتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کے فیض سے تبدیلِ اخلاق و تحصیلِ صفاتِ
قلب میسر ہوتی ہے! جب حق کے فضل سے یہ چیز حاصل ہو جائے۔ تو حجۂ ظاہری و باطنی معاصی سے
دامن بچا کر مصطفےٰ صلعم کی بتلائی ہوئی راہ پہ گامزن ہو۔ اور جو چیز بھی اس راہ سے اس کو مانع
ہو۔ اس کو ہٹا دے اور فراغ قلب کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہے۔ سہ

مجنوں بجنیاں زلف لیلیٰ در دشت — در دشت بہ جستجوئے لیلیٰ می گشت
می گشت بدشت بر زبانش لیلیٰ — لیلیٰ می گفت تا ز بانش برگشت

خوب سمجھ لو کہ راہ سلوک کا طے کرنا بے دلیلِ راہ بر ممکن ہی نہیں، حق سبحانہٗ کا راستہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ اور شیطان کے راستے راہ حق سے ملے ہوتے ہیں، راہ حق ایک ہے، اور راہ باطل ہزار۔ اسی کی طرف اشارہ ہے اس آیت کریمہ میں۔

لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهٖ (پ ۸ ع ۱۹) — مت چلو اور راستوں پر کہ وہ تم کو اللہ کے راستے سے جدا کر دیں گے۔

اسی نکتہ کو ان اشعار میں کیا خوب ادا کیا گیا ہے ؎

نیست ممکن در رہِ عشق اے پسر — راہ بردن بے دلیلِ راہ بر!
رَو بجو یارِ خدائی را تو زود! — چوں چنیں کردی خدا یارِ تو بود!
خلوت از اغیار باید نہ زیار! — پوستیں بہر دے آمد نے بہار
یار آئینہ است جان را در حزن — در رخ آئینہ اے جاں دم مزن
تا نپوشد روئے خود را از دمت — دم فرو خوردن بباید ہر دمت

اِتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ میں بھی اسی حکم کا بیان ملتا ہے۔ ؎

گر نہ توانی ز خود بریدن
در پہلوے پہلوان ما باش

اسی معنی کو اس طرح بھی پیش کیا گیا ہے۔ ؎

در پہلوے راستیں نشیں تا بدل رسی!
در پہلوے چپش نیابی از ہر کہ پرسی!

شیخ کامل سے ذکر کی تلقین حاصل کر کے سالک فرائض و سنن کی ادائی کے بعد ہمہ تن ذکر میں مشغول ہو جاتا ہے، شب و روز اسی کلمہ میں مستغرق ہو جاتا ہے، نوافل نماز، اذکار و تسبیحات کو چھوڑ کر اسی کلمہ پر انحصار کرتا ہے، روز و شب بلکہ ہر ساعت و ہر لحظہ یہی جانتا ہے، کہ نورِ سلمان لا الٰہ الا اللہ ہی میں ہے، سوائے نماز فرض و سنت کے ہر چیز کو ترک کر کے لا الٰہ الا اللہ ہی کے ذکر میں منہمک ہو جاتا ہے، اسی کو لازمی و لابدی سمجھتا ہے، اس کے سوا ساری چیز کو بلا و محنت جانتا ہے، ساری کائنات کے اندیشہ و فکر سے خالی ہو جاتا ہے
(۱۵) اور ہر حالت اور ہر وقت ذکر لا الٰہ الا اللہ سے تعلق رکھتا ہے، مخلوق سے قطع تعلق کے لئے تمام افعال و

اذکار ظاہری و باطنی میں سے کوئی اکمل تر و شافی تر قول لا الہ الا اللہ سے نہیں ۔ چنانچہ حضرت خواجہ امام محمد بن علی حکیم ترمذی قدس اللہ تعالیٰ روحہا نے فرمایا ہے کہ :

"کسے کہ دوام دولت ایمان طلبد باید کہ در ہر کارے و در حالے عادت وے گفتن لا الہ الا اللہ بود ، و ظلمت شرک خفی را بایں کلمہ راہموارہ دور کند از خود و ظہور نور ایمان را بر دل نو و تازہ می دارد چنانکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ اند جددوا ایمانکم بلا الہ الا اللہ (رواہ احمد و الطبرانی و اسناد احمد حسن)

اس ورزش کا نتیجہ قلب سے حجابات کا اٹھ جانا ہے ۔ جانتے ہو حجاب کی حقیقت کیا ہے ؟ یہ صور کونیہ کا انتقاش ہے دل پر ، اور اس انتقاش میں نفی حق اور اثبات غیر حق ہے ۔ المعالجة بالاضداد کے حکم کی رو سے ذکر کلمۂ لا الہ الا اللہ سے نقوش ماسوائے حق کی نفی ہو جاتی ہے ، اور خوب جان لو کہ اس شرک خفی سے نجات اس کلمہ کی مداومت و ملازمت کے سوا کسی چیز سے نہیں حاصل ہوتی ، اسلئے ذاکر نفی کے وقت تمام محدثات کو بنظر فنا دیکھتا ہے ، اور خواطر کی بھی نفی کرتا ہے ، اور اثبات کے وقت وجود قدیم حضرت حق جل ذکرہ کو بنظر بقا و مقصود و مطلوب و محبوب مشاہدہ کرتا ہے ! ہر اس چیز کی جس سے دل کو لگاؤ ہوتا ہے ، نفی کی جاتی ہے ، اور وہ باطل قرار دی جاتی ہے ، اور اثبات کے ذریعہ اس کی جگہ محبت حق قائم کی جاتی ہے ، یہاں تک کہ تدریجی طور پر دل اپنی تمام محبوب و مالوف چیزوں سے فارغ و خالی ہو جاتا ہے ، اور ذاکر کی ہستی نور ذکر میں مضمحل ہو جاتی ہے ، اور وجود بشریت کے تمام علائق و عوائق اس سے دور ہو جاتے ہیں ، اور حقیقت توحید ذاکر کے قلب میں قائم ہو جاتی ہے ، اور اس کی چشم بصیرت کھل جاتی ہے ، اب اس کے لئے عقل و توحید میں کوئی تناقض باقی نہیں رہتا ، اور اس مقام میں حقیقت ذکر لازم قلب ہو جاتی ہے ، اس کے بعد یہ ہوتا ہے کہ حقیقت ذکر اور جوہر قلب ایک ہو جاتے ہیں غیر حق کا کوئی خیال یا اندیشہ باقی نہیں رہتا ، ذاکر ذکر میں اور ذکر مذکور میں فنا ہو جاتا ہے ، اور قلب زحمت اغیار سے خالی ہو جاتا ہے ، اور بفحوائے لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن جمال سلطان الا اللہ تجلی کرتا ہے ، اور خاصیت کل شئی ہالک الا وجہہ آشکار ہو جاتی ہے ، یہی ہے حقیقت اس بیان کی : وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ ۔ یعنی اذکر ربك اذا نسیت غیرہ ونسیت نفسك لان تحقیق المذکور و شہودہ یوجب نفی الغیر ، فاثباتك یثبت الغیریۃ فانثنیتك یثبت الغیریۃ ۔ یاد کر اپنے رب کو جب تو اس کے غیر کو بھلا چکا ، اور اپنے نفس کو بھی فراموش کر چکا

کیونکہ اس تحقیق وشہود سے غیر کی نفی لازم آتی ہے، تیرے نفس کا اثبات غیریت کا اثبات ہے، اور تیری اثنینیت یا دوئی بھی غیریت کا اثبات ہے۔ اس حالت کو اصطلاح قوم میں فنا یا نیستی کہتے ہیں۔ یہ سیر الی اللہ کی نہایت ہے، ؎

چیست معراجِ فلک این نیستی ! عاشقاں را مذہب و دیں نیستی

ہیچ کس را تا نگردد او فنا ! نیست رہ در بارگاہِ کبریا !

اس مقام پر ملکوت کھل جاتا ہے، اور انبیاء و اولیاء کی ارواح، اور ملائک کے جواہر اچھی صورتوں میں نمایاں ہونے لگتے ہیں، اور حضرت الوہیت کے خواص پیدا ہونے لگتے ہیں، اور احوال عظیمہ ظاہر ہوتے ہیں، اور مشاہدہ صورت سے ان درجات تک ترقی ہوتی ہے کہ ان کا بیان نہیں کیا جا سکتا، اور ہر شخص کو نئی چیزیں پیش آتی ہیں کہ ان کے بیان کرنے میں کوئی فائدہ نہیں، کہ یہ راہ "راہ رفتن" ہے نہ "راہ گفتن" اہل اللہ نے اس سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے وہ طالبِ حق کی ترغیب کے لئے کہا ہے، بہر حال رویت جلال و کشف عظمتِ الٰہیت اور اس حال کے غلبہ کی وجہ سے عقل و دین فراموش ہو جاتے ہیں، اور احوال و مقامات نظرِ ہمت کے آگے حقیر نظر آنے لگتے ہیں، عقل و نفس سے طالب فانی ہو جاتا ہے، اور فنا سے بھی فانی ہو جاتا ہے، اور عین فنا میں اس کی زبان ناطق اور اس کا تن خاضع و خاشع ہو جاتا ہے، اور عین فنا میں حیرت و بے نشانی ہوتی ہے۔ فیخفیہ فی کسوۃ آلائہ[1] ؎

کس را اندر نہ تو نشانے

اینست نشان بے نشانے

اور اگر کوئی ذکر میں اس درجہ تک نہیں پہونچتا، اور یہ احوال و مکاشفات اس پر نہیں ظاہر ہوتے، لیکن ذکر اس پر مستولی ہو جاتا ہے، اور اس کے دل میں متمکن، اور کلمۂ توحید کے معنی "کہ ان میں حروف کی گنجائش نہیں" دل پر غالب آجاتے ہیں اور دل "ذکر" اور اس کے معنی میں قرار حاصل کر لیتا ہے، کہ تکلف ہی کے ساتھ دل کو کسی اور طرف لیجایا جا سکے تو یہ کیفیت بھی نہایت عظیم الشان دولت ہے، کیونکہ جب دل نورِ ذکر سے آراستہ ہو گیا تو وہ کمالِ سعادت کے لئے تیار ہو گیا، اس جہان

---

[1] اس کو اپنی صفات کی چادر میں پوشیدہ کر لیتے ہیں۔

میں جو چیز پیدا نہیں ہوئی ہے، دوسرے جہان میں پیدا ہو گی، جب دل کی زمین وساوسِ دنیا کے کانٹوں سے پاک وصاف ہو گئی اور ذکر کا بیج اس میں بو دیا گیا، اب کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہی جس کا تعلق اختیارِ انسانی سے ہو، اختیار بس یہیں تک تھا، اب انتظار ہے کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے، یہ تخمِ ذکر ضائع نہیں ہو سکتا، کہ وعدۂ الٰہی ہے:

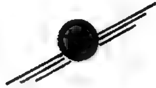
مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ (پ ۲۵ ع ۳) — جو کوئی چاہتا ہو آخرت کی کھیتی زیادہ کریں ہم اس کے واسطے اس کی کھیتی میں۔

اس درجہ پر پہونچ جانے کے بعد قلب سے عداوتِ خلق اور ان کا ذکر، ماضی و مستقبل کا ذکر، مشغلۂ محسوسات، تمام اخلاقِ رذیلہ، شہواتِ دنیا اور دنیا کی طلبِ باطل سب دور ہو جاتے ہیں، اور اسطرح قوائے نفس کی کامل تہذیب و اصلاح ہو جاتی ہے، اور مکارمِ اخلاق کی تتمیم ہو جاتی ہے جو نبی آخر الزماں کی بعثت کا مقصود ہے، جیسا کہ آپؐ نے فرمایا ہے۔ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔

یہ ہے وہ سلوک الی اللہ جس کی تعلیم صوفیۂ کرام نے کی ہے، اور یہ ہیں اس کے بعض فوائد و فیوض! ذکرِ دوام سے جو قلب میں کیفیت پیدا ہوتی ہے، اس کو صوفیہ نے "نسبت" سے بھی تعبیر کیا ہے، اور یہ نسبت صحابہؓ اور تابعین کے زمانہ میں دوامِ طہارت اور کثرتِ عبادت و خلوت و خوفِ الٰہی، و تلاوتِ قرآن، و سماعتِ احادیث جو خوف و رجا سے تعلق رکھتی ہیں حاصل ہو جاتی تھی، یہی نسبت مقصودِ اعلیٰ ہے، اور یہی متوارث ہے جو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی ہے۔ ذکر و شغل و مراقبہ کے آداب جو مشائخ طریقت نے بعد میں مقرر کئے ہیں ان کے متعلق بدعت کا گمان کرنا نقصِ فہم کی علامت ہے۔ اس نسبت کا حاصل کرنا زمانِ رسالت سے ابتک برابر چلا آیا ہے، گر اس کے حصول کے طریقے نقشبندیہ قادریہ چشتیہ طرق میں کسی قدر مختلف ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ مشائخ طریقت نے مجتہدین شریعت کی طرح قرآن و حدیث کے ظاہر و باطن اشارات و کنایات سے بطریقِ اجتہاد مسائل کا استنباط کیا ہے اور قواعد و ضوابط مقرر فرمائے ہیں، اصل اجتہاد کی اجازت قرآن و حدیث سے ثابت ہے جس کا انکار صرف جاہل ہی کر سکتا ہے، اس کے متعلق بدعت کا گمان کرنا جہلا ہی کا کام ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آفتابِ رسالت کی ضیا پاشی کی وجہ سے "تحصیلِ نسبت" کے لئے اشغال و مراقبات کی ضرورت نہ تھی، جس طرح کہ ان بزرگوں کو قرآن و حدیث کے سمجھنے کے لئے صرف و نحو کے قواعد کے سمجھنے کی ضرورت

نہ تھی، لیکن متاخرین کو زمانِ رسالت کے بُعد کی وجہ سے اشغال و مراقبات کی ضرورت ہوئی! اب جس طرح مذاہب اربعہ کا اتباع علوم شریعت میں واجب ہے، اسی طرح علم باطن کے حصول کے لئے نسبت کے قیام کے لئے صوفیۂ کرام کے طریقوں کی پیروی بھی لازمی ہے (کذا قال شیخ ولی اللہ دہلویؒ فی القول الجمیل)

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ !



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مختصر سوانح حیات حضرت خواجہ بندہ نوازؒ

شیخٌ رشیدٌ کاملٌ متفرِدٌ
ھادٍ جمیلُ الاصطناع موحِدٌ

اسم گرامی سید محمد، کنیت ابوالفتح، القاب صدر الدین، الولی الاکبر، الصادق "خلیفۂ راستین شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ" جامع میان سیادت و علم و ولایت، شان رفیع، رتبہ منیع، کلام عالی کے حامل"

امین سرِ ولایت، امانِ روئے زمین ۔ امام دین ہدیٰ، پیشوائے اہل زمن
ز قصرِ ہمت او روزنیست در ملکوت ۔ کہ آفتاب بود ذرہ دراں روزن

چوتھی رجب ۷۲۱ھ دہلی میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد کا نام سید یوسف حسینی، عرف سید راجہ تھا، والدۂ ماجدہ بھی سیدہ تھیں، اور بی بی رانی نام تھا، والد ماجد سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین محمد اولیاء بدایونیؒ کے مرید تھے، اور ان کے خلیفۂ خاص خواجہ نصیر الدین محمود اودھی چراغ دہلی کے بھی فیض یافتہ تھے، آپ کا شمار شرفاء دہلی میں ہوتا تھا، صوفیانہ روش میں ممتاز تھے، سلطان محمد تغلق کے حکم سے دہلی ترک کر کے دولت آباد میں آکر قیام کیا، اور چند سال بعد وہیں وفات پائی، ۵ شوال ۷۳۱ھ خلد آباد میں غار ؟ ایلورہ کے قریب آپ کا مزار ہے۔ والد کے انتقال کے وقت حضرت مخدوم کی عمر دس سال، تین ماہ، ایک روز کی تھی دولت آباد کے قیام کے زمانہ میں آپ نے اپنے والد ماجد، اور ان کے بعد اپنے نانا جو حضرت سلطان المشائخ ہی کے مرید تھے، اور بعض دوسرے اساتذہ سے تعلیم و تربیت پائی، قرآن شریف حفظ کیا، اور اس وقت کے نصاب کے مطابق صرف و نحو، فقہ اور اصولِ فقہ کی کتابیں پڑھیں۔

بچپن ہی سے اپنے والد اور نانا کی زبانی حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے فضائل و کمالات کا تذکرہ سنا کرتے تھے، حضرت چراغ دہلیؒ سے آپ کو غائبانہ عشق پیدا ہو گیا

کہ ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

گو عشق نے قرب روحانی تو عطا کر دیا، لیکن بُعد جسمانی کے رفع کرنے کی کوئی راہ نظر نہیں آئی۔ قلبی کشش نے بہت جلد یہ مشکل بھی دور کر دی، آپ کی والدؒ کو اپنے بھائی ملک الامرا سید ابراہیم مستوفی سے (جو بادشاہ کی جانب سے صوبہ دولت آباد کے صوبہ دار (گورنر) تھے) رنجش پیدا ہو گئی، اور آپ اپنے دونوں لڑکوں، یعنی ہمارے خواجہؒ اور ان کے بڑے بھائی سید حسین عرف سید چندن حسینی کو لے کر دہلی روانہ ہو گئیں اور ۱۴ رجب ۷۳۶ھ کو دہلی پہونچ گئیں، خواجہؒ کی عمر اس وقت پندرہ سال کی تھی، جمعہ کے دن آپ سلطان قطب الدین کی جامع مسجد میں نماز جمعہ کے لئے اپنے بھائی کے ساتھ گئے، حضرت چراغ دہلیؒ بھی وہاں موجود تھے، نظر پڑتے ہی دل چیخ اٹھا کہ ؎

تو محبوب جانی و جانِ جہانی
فدائے تو صد عمر و صد زندگانی

جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر اپنے بھائی کو ساتھ لے کر حضرت چراغ دہلیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں بھائی بیعت سے مشرف ہوئے! (۱۶ رجب ۷۳۶ھ)

مرید تو ام زانکہ جان را مرادی
الیک استنادی علیک اعتمادی

بڑے بھائی تو دنیا کے کاروبار میں مصروف ہو گئے، لیکن خواجہؒ کی فطرت ہی کچھ اور تھی۔ ؎

مرد معنی از جہانِ دیگر است
گوہر لعلش زکانِ دیگر است

حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ نے سلوک کا آغاز کیا، حکم ہوا کہ اشراق اور چاشت کی نمازوں کی پابندی کی جائے، اور رجب و شعبان کے روزے پورے کئے جائیں، سلسلۂ درس علوم ظاہری جاری رہے، چنانچہ حکم کی تعمیل میں مولانا شرف الدین کیتھلی، مولانا تاج الدین بہادر، اور قاضی

رکن الدین الشربجی، اور بعض دوسرے اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب طے کیا، اثنائے تعلیم میں دو ایک بار غلبۂ حال سے مضطر ہو کر حضرت شیخ سے عرض کیا کہ بقدر ضرورت تو پڑھ ہی لیا ہے، اب جی چاہتا ہے کہ یکسو ہو کر جان و دل جانبِ دلدار کر دوں، لیکن تکمیل درس کی تاکید کی گئی۔ اور ارشاد ہوا کہ "مارا باتو کار ہا است" اور کام یہی تھا کہ خواجہؒ کو اشتہارِ دینؒ کا سبب بھی بنائیں اور یہ ہو کر رہا۔ ؎

اے صیت دانشت سببِ اشتہارِ دیں
عالیست ارمعالی تو کاروبار دیں

اور آپ کے فیضِ علم سے دنیا و دین کے کام آراستہ ہوئے، وکان امر اللہ قدراً مقدوراً۔ انیسؔ سال کی عمر میں خواجہؒ علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے، اور تمام تر ریاضت و مجاہدات و اشغالِ باطنیہ میں مصروف و منہمک ہو گئے۔ اس راہ میں انہوں نے کونین کو پس پشت ڈال کر جو مجاہدے کئے وہ بس انہیں کا حق تھا۔ ؎

کونین را چو نعلین انداختیم و رفتیم
دیوانگانِ شاہیم رندِ برہنہ پائیم

جب حضرت شیخؒ سے اپنی کیفیات باطنیہ کا ذکر کیا تو فرمایا۔ "بعد از ہفتاد سال کودکے مرا از سر شورانیدہ است و واقعات سابق مرا یاد دہانیدہ"

جذب و سکر کی حالت میں بستی چھوڑ کر جنگل کی راہ لی، اور کئی دن صحرا نوردی میں گذار دیئے، زبان پر تھا۔ ؎

مصلحت نیست مرا سیری ازیں آبِ حیات
ضاعف اللہ بہ کل زمان عطشی ! ! !

دو جہاں کے ذوق کا سرمایہ خواجہ نے مستی عشق ہی میں پایا۔ ؎

سرمایۂ ذوق دو جہاں مستی عشق است
آنہا کہ ازاں مے نچشید ند چہ دانند

سچ تو یہ ہے کہ ہمارے خواجہؒ پیدائشی عاشق تھے، آپ نے غم عشق شیر مادر کے ساتھ نوش جان فرمایا تھا۔ خود اعتراف کرتے ہیں۔ ؎

ما در م عشق باز زاد مرا
(دیوان خواجہؒ)
شیر اندوہ و درد داد مرا

آپ دائماً مست عشق ہیں ہوشیار ہونا ہی نہیں چاہتے۔

من مست مئے عشقم ہشیار نہ خواہم شد
من خفتہ بمعشوقم بیدار نہ خواہم شد

آپ کو عشق سے عشق رہا، اور ہمیشہ اس کی مدح وثنا میں رطب اللسان رہے۔ سے

اے محمد عشق را مداح باش
مدح او گو بہ ہر فصلے و باب

عاشق کو اپنے محبوب ہی سے کام ہوتا ہے، وہ کسی اور کی طرف کب متوجہ ہوتا ہے، اسی لئے خواجہؒ نصیحت فرماتے ہیں۔ سے

در ہر دو جہاں ہر چہ شود گو شو گو ! وز دور زماں ہر چہ شود، گو شو گو
مشغول بحق باش و بیراز دو کون وز سود و زیاں ہر چہ شود، گو شو گو

ہمارے خواجہؒ کی سلوک میں حیرت ناک ترقی (جو نتیجہ تھی ان کی سخت ریاضتوں) اور خدا داد صلاحیتوں کا، دیکھ کر حضرت شیخ چراغ دہلویؒ آپ کی بڑی قدر کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ وہ اپنے چند خاص مریدوں کو لے کر حظیرہ شیر خاں تشریف لے گئے جہاں ہمارے خواجہؒ مقیم تھے اور حاضرین کی موجودگی میں چند روپے خواجہؒ کے سامنے رکھ کر زبان مبارک سے فرمایا۔ " این نذر ماست برائے سید محمد "

۱۵ رمضان المبارک ۷۵۷ھ کو حضرت شیخ کا مزاج ناساز ہوا، مرض میں شدت پیدا ہوئی، زمانہ علالت میں یارانِ طریقت میں سے کسی نے عرض کرنے کی جرأت کی کہ حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے حضرت شیخ کے بعض تربیت یافتہ مقامات عالیہ پر فائز ہیں، اور صاحب کشف وتجلی ہیں، مناسب ہے، کہ ان میں سے کسی کو جانشینی کے لئے نامزد فرمایا جائے، چنانچہ حضرتؒ کے حکم سے مولانا زین الدین نے چند منتخب اور سربرآوردہ متوسلین کے ناموں کی ایک فہرست ملاحظۂ عالی میں پیش کی، اس فہرست کو دیکھ کر فرمایا۔

"چہ سنگے دکلوخے بستہ آوردید، ایشاں را بگوئید کہ غم ایمانِ خود بخورند"

مولانا زین الدین نے تمام نام بدل کر دوسری فہرست پیش کی، ان دونوں فہرستوں میں ہمارے "خواجہؒ" کا نام شامل نہ تھا، دوسری فہرست دیکھ کر فرمایا۔ "نام سید نہ نبشتید؟" یہ عتاب آمیز جملہ سن کر حاضرین کانپ اٹھے، اور فوراً حضرت "خواجہؒ" کا نام شامل کر کے تیسری مرتبہ فہرست گذرانی، فہرست لے کر خود اپنے دستِ مبارک سے ہمارے "خواجہؒ" کے اسمِ گرامی پر صاد فرمایا۔ (تفصیل کے لئے دیکھو سیرِ محمدی ص۲ و ترجمہ تاریخ حلبی ص۱۶)

۱۸ رمضان ۷۵۷ھ کو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ نے رحلت فرمائی، حضرت خواجہؒ نے غسل دیا، اور اس طرح اپنے شیخ کی آخری خدمت انجام دی، زیارت سوم کے بعد آپ سجادۂ ولایت پر جلوہ افروز ہوئے، اور حضرت شیخ چراغ دہلویؒ کے خلیفہ راستین کی حیثیت سے خلق خدا کی رشد و ہدایت کے عظیم الشان کام کا آغاز فرمایا (سیرِ محمدی) ؎

سرِ مشائخ دوراں و سرورِ عرفا!
کہ خاک درگہ او تاج فرقداں باشد!

دہلی، قلب ہندوستان میں چوالیس سال تک حضرت خواجہؒ نے رشد و ہدایت کی شمع روشن رکھی، اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں مشائخِ چشت کے طریقۂ قدیمہ پر خدمتِ خلق کا فرض شاندار طریقہ پر انجام دیا، پھر یہ شمع دکن میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ روشن ہوئی، اس طویل مدت میں مولانا سامانی کے الفاظ یہ ہیں:

"بیشتر علماء و صلحاء و ملوک و خواتین و اصناف خلق بر ایشاں پیوستند" (سیرِ محمدی)

امام دیں کہ از و تازہ شد مسلمانی
ز امر و نہی وے آفاق شد نورانی

سجادۂ ارشاد پر متمکن ہونے کے چار سال بعد آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کے اصرار پر چالیس سال کی عمر میں سید احمد بن عارف باللہ سید جمال الدین مغربی رحمۃ اللہ علیہا کی صاحبزادی بی بی رضا خاتون سے نکاح کیا۔

٨٠٠ھ میں امیر تیمور نے ہندوستان کا رخ کیا، ٨٠١ھ میں اٹک پہونچا اور دہلی کی طرف بڑھا، ہمارے خواجہؒ کی چشم بصیرت نے دہلی کی تباہی کا منظر دیکھ لیا، اور دہلی سے ہجرت واجب سمجھی، اور شہر کے سادات وعلماء و عامۂ خلائق کو آنے والی عظیم بلا سے متنبہ کیا، اور دہلی سے چلے جانے کا مشورہ دیا، اور خود ۷، ربیع الثانی ٨٠١ھ کو اپنے متعلقین اور متوسلین کے ایک چھوٹے سے قافلہ کے ساتھ دکن کا قصد فرمایا۔

یہ سفر ایک سال کی مدت میں طے ہوا، اور اس کی تفصیل مولانا محمد علی سامانی کی کتاب سیر محمدی میں دیکھی جا سکتی ہے، جو ہمارے خواجہؒ کے مرید خاص تھے، اور آپ کے ہمراہ دہلی سے نکلے، تمام سفر ہمراہ رہے، اور گلبرگہ آئے، یہاں بھی پیر ہی کی خدمت میں رہے، اور اپنے پیر کی رحلت کے بعد ان کے حالات میں سیر محمدی تالیف فرمائی، جو ہمارے خواجہؒ کے حالات میں سب تذکروں سے مقدم اور سب سے زیادہ مستند ہے۔ ان کی یہ گراں قدر تصنیف اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

٨٠٣ھ میں سلطان فیروز شاہ بہمنی دکن کے تخت پر متمکن تھا، اس نے حضرت خواجہؒ کے دولت آباد تشریف لانے کی خبر سنی تو دولت آباد کے گورنر عضد الملک کو حکم دیا کہ میری جانب سے نذر لیکر خدمت والا میں حاضر ہو، اور گلبرگہ تشریف لانے کی درخواست کرو۔ حضرت زالا قصبہ اکنڈ ہوتے ہوئے اوائل ٨٠٤ھ میں جب گلبرگہ وارد ہوئے تو سلطان نے اپنے تمام اہل وعیال اور علماء وسادات اور فوج کے ساتھ پیشوائی کی اور بہت ادب اور احترام کے ساتھ گلبرگہ لایا۔ یہاں تشریف لانے کے چند سال بعد آپ قلعہ کے قریب فروکش رہے، اور اس کے بعد اس جگہ سکونت اختیار فرمائی، جہاں اب آپ کا مزار ہے۔

جب آپ کی عمر ایک سو پانچ سال چار ماہ بارہ روز کی ہوئی تو بتاریخ ۱۶، ذیقعدہ ٨٢٥ھ روز دوشنبہ اشراق وچاشت کے وقت کے درمیان رحلت فرمائے عالم جاودانی ہوئے، مولانا بہاء الدین نے غسل دیا، اور اسی روز تدفین عمل میں آئی "مخدوم دین ودنیا" مادۂ تاریخ رحلت ہے، اور مادۂ تاریخ تعداد عمر "عادل" ہے۔ ۱۰۵

سلطان احمد شاہ بہمنی ٨٢٥ھ کو حضرت خواجہؒ سے بے پناہ عقیدت تھی، مزار مبارک پر نہایت عالی شان گنبد تعمیر کروایا۔

ہمارے خواجہؒ کے دو صاحبزادے، اور تین صاحبزادیاں ہوئیں (۱) سید حسین المعروف بہ سید محمد اکبر حسینی (۲) سید یوسف المعروف بہ سید محمد اصغر حسینی، (۳) بی بی فاطمہ زوجہ میاں بن رسول

(۴) بی بی بتول، زوجہ سید سالار لاہوری، (۵) بی بی ام الدین زوجہ میاں بعض رسول۔

سلسلۂ خواجگان چشت میں ہمارے خواجہؒ کا مقام نہایت بلند ہے۔ ؎

موید ے کہ بجنب جناب ہمت او | فضائے ساحت افلاک کمتر است از کم
دل منورش انوار فیض را مطلع | ضمیر انورش اسرار غیب را محرم



ندوۃ المصنّفین دہلی

علومِ قرآنی اور فنونِ اسلامی پر بلند پایہ تصانیف پیش کرنے والا ادارہ

سلسلۂ ندوۃ المصنفین دہلی

(۹۸)

خواجۂ بندہ نواز کا تصوّف اور سلوک

از

ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب

ایم' اے (علیگ) پی' ایچ' ڈی (لندن)

بیرسٹر ایٹ لا

سابق پروفیسر و صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی ۶